کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:16 Issue:6 June 2023

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

حفاظتِ نظر ایک اہم ایمانی واخلاقی فریضہ

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ؕ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ (سورۃ النور: ۳۰)

ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

توضیح: اعضائے انسانی میں ایک ایک عضو اپنی جگہ بڑی اہمیت و انفعیت کا حامل ہے، اور حق تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کو صحیح استعمال کرنا اور غلط و بے محل استعمال سے باز رہنا اس کی صحیح معنوں میں قدردانی ہے۔ تمام ہی اعضاء کو احکاماتِ اسلام و تقاضاہائے ایمان کا پابند کرنا اور اس پر جمائے رکھنا شریعت کا مطلوب و مقصود ہے کیوں کہ اسی سے انسان کی عزت و شرافت اور کرامت و فضیلت قائم رہتی ہے۔

اوپر ذکر کی گئی آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے مومن مردوں اور اس کے بعد والی آیت میں مومن عورتوں کو بھی بطورِ خاص اس امر کی تاکید کہ وہ ''آنکھ'' کو نیچی رکھیں اور شرم گاہ کی حفاظت کا سامان کریں، ترغیب و تشویق کے لئے اس کا فائدہ بتایا کہ یہ ان کی پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی کا وسیلہ ہے، اگر اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو یہ نہ سمجھیں کہ کچھ نہ ہوگا، بل کہ زندگی تو داغ دار ہوگی ہی ساتھ ہی آخرت میں سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں سے خوب باخبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے (تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا

* مدرس شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: بدنگاہی کرنے والے اور جس سے بدنگاہی کی جارہی ہے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

آیتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کو سامنے رکھ کر ہر مومن بندہ اور بندی غور کرلے کہ وہ نظر کی حفاظت کرکے اپنی عفت وعصمت کی لاج رکھ رہے ہیں یا بدنظری میں مبتلا ہوکر شیطانی اثرات، اور خدائی لعنت و پھٹکار سے ایمان کی حلاوت وچاشنی سے محروم ہو رہے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں ناجائز وحرام شہوت رانی اور اُس کے تمام مقدمات کو منع کرنا مقصود ہے جس میں ابتداء (بدنگاہی) اور انتہاء (زنا) کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے، باقی درمیان کے تمام مقدمات سب اس میں داخل ہیں۔

جوکوئی حلاوتِ ایمانی اور رحمتِ الٰہی پانا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ بدنگاہی کے تمام مواقع سے خود کو دور رکھے، کسی نامحرم عورت اور لڑکی کو قصداً نہ دیکھے، جن محارم کو دیکھنا جائز ہے انہیں بہ نظر شہوت نہ دیکھے، قرابت والی نامحرم لڑکیوں جیسے چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپی زاد بہنوں، بھاوجوں، سالیوں اور بیوی کی سہلیوں سے بھی نظر کی حفاظت کرے، دوسروں کے گھروں میں دروازوں، کھڑکیوں، بالاخانوں اور چھتوں سے تانک جھانک نہ کرے، چھوٹی سواریوں، کاروں، بسوں، ٹرینوں، ہوائی جہازوں اور کشتیوں پر سوار مسافر عورتوں پر نظریں نہ جمائیں، دُکانوں، دواخانوں، میڈیکل شاپس، ایرپورٹس، شاپنگ مالس، سوپر مارکٹس پر کام کرنے والیوں سے بھی نظر کی حفاظت کرے، اسکولس، کالجز، ٹریننگ سنٹرس اور تعلیمی وصنعتی اور سرکاری اداروں میں سروس دینے والی اجنبیات سے نظر بچائے، اخبارات ورسائل، سڑکوں، عمارتوں اور شوروموں پر لگی بڑی بڑی ہوڈنگس اور اشتہارات پر چَھپی اجنبیات کی عریاں ونیم عریاں تصاویر کو بھی نظر میں نہ لائے، ٹی وی اسکرین، ایل سی ڈیز پر نشر ہونے والی فلموں اور سیریلوں کی اداکاروں، نیوز چینلس پر خبریں پیش کرنے والی اینکرس موبائلس پر آنے والے اَیڈس، ایپس، یوٹیوب، فیس بُک، انٹساگرام، ٹیلی گرام جیسے سوشیل میڈیا پر نظر آنے والیوں کو نہ تاکتے رہیں۔آدمی غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ شیطان نے کتنی راہیں بدنظری کی کھول رکھی ہیں جہاں ایمان، اخلاق، اعمال سب کچھ تباہ ہورہے ہیں۔ پھر اس نظر بازی کے نتیجے میں حفاظت شرم گاہ کا حکم بھی ٹوٹ رہا ہے،نفسانی وشہوانی تقاضوں پر قابو نہ پاکر ناجائز تعلقات، زنا، لواطت، ہم جنسی، اغلام بازی، مشت زنی کی عادات نے سماج کے بچوں، نوجوانوں، شریف زادوں، حیاداروں سب کی زندگیوں کو ناپاک کردیا ہے۔تریاق یہی ہے کہ غض بصر کے حکم پر عمل کریں اور بدنظری کے تمام مواقع سے کنارہ کش ہوجائیں اور عفیف وپاکباز بن جائیں۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي، وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي۔



درسِ حدیث

جذبۂ رحم دلی دلیلِ سعادت مندی ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرة رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: لَا تُنْزَعُ الرَّحمةُ إلّا مِنْ شَقِيٍّ (رواہ الترمذی: ۱۹۲۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو القاسم صادق (آپ اپنے ہر قول وفعل اور خبر میں سچے ہیں) مصدوق (اللہ اور اُس کے فرشتے اور مومنین نے آپ کے نبی ورسول ہونے کی تصدیق کی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: رحمت (مہربانی وشفقت) صرف بدبخت ہی کے دل سے ختم کی جاتی ہے۔

تشریح: ''الرحمة'' کے معنی ہیں رحم، مہربانی، شفقت، ترس اور بھلائی، اللہ پاک کے اسماءِ حُسنیٰ میں ''رحمٰن ورحیم'' دو مبارک نام ہیں، جہاں اِس لفظ کی عظمت ومعنویت کا عکّاس ہیں، وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں ''رحمة للعالمین'' کے مبارک لقب سے یاد کرنا اِس لفظ کی خصوصیت وبزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔

جن بنیادی اور فطری صفات وعادات پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے، اُن میں ایک اہم صفت ترحم وشفقت بھی ہے، اس لئے بلا لحاظ مذہب وملت ہر خاص وعام انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ صرف انسانیت کی بنیاد پر رحم وکرم کا برتاؤ کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے، جب یہ بات ثابت اور ظاہر بھی ہے تو پھر مسلمان کے اندر تو یہ صفت لازماً ہونی چاہیئے؛ اس لئے کہ اُس کی نسبت رحمٰن ورحیم سے بندگی اور رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امتی ہونے کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہی ایک صفت وخوبی کا دل میں موجود رہنا بے شمار حسنات وخیرات کو وجود میں لانے کا ذریعہ ہے؛ اسی کی وجہ سے ہر شخص اپنے بڑے کی تعظیم واکرام کرے گا، اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ کرے گا، غم زدہ اور دُکھی دل انسان کا فکر

* استاذِ حدیث وفقہ ادارہ ہذا

وغم دور کرے گا، پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آئے گا، بیماروں کی عیادت اور جنازوں کی مشایعت کا حق ادا کرے گا، والدین اہل وعیال اور اقرباء کے ساتھ ''حسنِ سلوک'' کا فریضہ انجام دے گا لین دین اور رہن سہن میں ''حسنِ معاملہ'' کے خلق عظیم کا مظاہرہ کرے گا۔وغیرہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمت وشفقت کی یہ صفت قبل از نبوت بھی بہ درجۂ اتم تھی، پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گھبراہٹ بے چینی کی جو کیفیت تھی؛ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان کا بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا، اُس وقت حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی وہ سب مسلمانوں کے لئے درس عبرت وموعظت ہے، ''حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا: خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، دوسروں کے قرضے اپنے سر رکھتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔خلاصہ یہ کہ جو شخص ایسے محاسن اور کمالات اور ایسے محامد وپاکیزہ صفات، ایسے اخلاق وشمائل، ایسے معانی اور فضائل کا مخزن ومعدن ہو اس کی رسوائی ناممکن ہے، حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنی رحمت سے یہ محاسن اور کمالات عطا فرماتے ہیں اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے محفوظ رکھتے ہیں''۔(سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۱۴۵)

بہ ہر حال ''باہمی اخوت وترحم'' پوری ملتِ اسلامیہ کے نظام کو مستحکم ومضبوط بنائے گی، اِس طرح نتیجہ میں ایک پُرامن اور صالح معاشرہ وجود میں آئے گا؛ اِس لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں اتنی بڑی وعید بیان فرمائی کہ اگر دل رحمت ومؤدت اور مہربانی وشفقت سے خالی ہے تو یہ انسان کے لئے بدنصیبی اور شقاوت کی بات ہے، سعادت مندی اور خوش نصیبی یہ ہے کہ مسلمان کا دل صفتِ رحمت کے نور سے منور ہو، اسی نور کی برکت سے وہ تمام حقوقِ الٰہی وانسانی کو احسن طریقہ پر ادا کرے گا۔

اللہ پاک کے الطاف وعنایات کو ہر دم مستحضر رکھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے رحمۃ للعالمینی والے اس حصہ کو پڑھتے رہنے سے انشاء اللہ ہم بھی اپنے اندر یہ صفت پیدا کر سکتے ہیں۔

اللہ پاک ہمارے دلوں کو صفتِ رحمت سے معمور وآباد فرمائے۔آمین

ابتدائیہ

مدارس میں ذکراللہ کی فضا قائم کی جائے

از: محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر و برکت اور ان کا منصب تعلیم و تعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے۔ یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ کے معلم ہیں۔قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم و تعلم کے جو فضائل آئے ہیں، ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے، اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے، اور وہ صرف رضاء الٰہی اور نعیم جنت ہی ہوسکتی ہے۔ اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاعِ دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ: ''من تعلم علما مما يُبتغى به وجهُ الله لا يتعلمهُ إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة'' (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ) یعنی ''جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے، مگر وہ اس کو صرف متاعِ دنیا کے لیے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔'' سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر محدثِ وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمدؒ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کے بجائے بیل بیٹھے ہیں، فرمایا: إنا لله، اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لیے پڑھنے لگے۔

ہمارے اکابر کے لیے علم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباعِ سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے۔ نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآن کریم کی

جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچا دی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے اربابِ بصیرت، اہل دل کو بے چین کر رکھا ہے۔

ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (متع اللہ الأمۃَ بحیاتھم الطیبۃ المبارکۃ) نے اسی تأثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے، اربابِ مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لیے اُسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اربابِ مدارس کے لیے وسیلۂ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے، آمین۔

مکتوب مبارک

''مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی وبے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد، مرادآباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی، وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔ اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر علوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ **مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور وفتن اور تباہی وبربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔** جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہوجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقا وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحابِ نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے، وہ

آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لیے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔ طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے۔ مدرسہ پر طعام کا بارڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتدا میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔ جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو، مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے، ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جارہے ہیں، اکابر سے زمانہ میں جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب ''الوابل الصیّب'' سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطین اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں۔

فضائل ذکر سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے۔ آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔ دارالعلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔

یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، بقلم حبیب اللہ - ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء، والسلام، مکۃ المکرمۃ۔



(بہ شکریہ ماہنامہ ضیائے علم حیدرآباد کی خصوصی اشاعت ''تحفظ مدارس دینیہ نمبر'')

میں حشر کے میدان میں ان کا دامن گیر ہوں گا

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے مرض الوفات کے دوران دیوبند کی جامع مسجد میں علماء، فضلاء اور طلباء کے بھرے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ میرے تدریسی دور میں کم از کم ۲ ہزار طلبہ نے مجھ سے حدیث کے چند حروف پڑھے ہیں ان تلامذہ حدیث سے صرف اتنی گذارش کروں گا کہ خدا کے واسطے تحفظ ختم نبوت کے لئے اپنی علمی و عملی توانیاں صرف کر دیں اگر اس محاذ پر انھوں نے کوتاہی کی تو میں حشر کے میدان میں ان کا دامن گیر ہوں گا''۔

(آخری پیغام ص: ۲۶)

گوشہ سیرت

کیا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ظاہر ہو گئے؟

از: مرتب*

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں بصری کے بازار میں تھا کہ ایک عیسائی راہب اپنے گرجا گھر سے باہر نکلا، اور معلوم کرنے لگا کہ اس بازار میں کوئی مکی ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا: میں ہوں! اس نے پوچھا: کیا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ظاہر ہو گئے ہیں، میں نے کہا: کون احمد؟ اس نے کہا: کہ عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا! یہ وہ مہینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوگا، وہ آخری نبی ہے، حرم مکہ سے اُسے نکالا جائے گا، اور اس کی ہجرت گاہ کھجور کے درختوں والی، گرم پتھروں والی، اور بے کاشت والی سرزمین ہوگی، ہوشیار رہو! کہیں کوئی اور تم سے پہلے ایمان لانے میں آگے نہ بڑھ جائے۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں: اس کی بات میرے دل میں گھر کر گئی، میں مکہ کو سرپٹ دوڑا، وہاں جا کر معلوم کیا کہ کوئی نئی بات پیش آئی؟ لوگوں نے کہا: ہاں! محمد بن عبد اللہ الامین نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیقؓ) اس کے پیروکار بن گئے ہیں، میں سیدھے ابوبکرؓ کے پاس چلا گیا، اور پوچھا: کیا تم نے اس شخص کی بات مان لی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! تم بھی ان کے پاس چلو اور ان کی بات مان لو، وہ حق کے داعی ہیں، پھر حضرت طلحہؓ نے انہیں راہب کی بات سنائی۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت طلحہؓ کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، حضرت طلحہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، اور راہب کا قصہ کہہ سنایا، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات سے مسرور ہوئے۔ جب یہ دونوں مسلمان ہو گئے تو نوفل بن خویلد بن عدویہ (جو شیرِ قریش کہلاتا تھا) نے ان دونوں کو رسی سے باندھ دیا، جب کہ بنو تیم نے اُنھیں بچانے کی ذرا فکر نہیں کی، چوں کہ ابوبکرؓ وطلحہؓ ایمان لانے کے بعد دفعتاً ایک آزمائش میں اکٹھا ہو گئے تھے اس لئے یہ دونوں قرینین (ساتھی) کہلائے گئے۔

(دلائل النبوۃ: ۲/ ۱۱۷، ۱۱۸)

فوائد: نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا مسئلہ اہل کتاب کے لئے عین الیقین کا درجہ رکھتا تھا، پھر بھی وہ ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے، اور جن کے قلوب کفر وشرک اور شکوک وشبہات کی الائش سے پاک تھے اور فطرتِ سلیمہ پر قائم تھے وہ حق کو جلد ہی پا لئے، اور حق کو پانے کے بعد مصائب وآلام کی ذرا پروا نہ رہی۔

* مدرس شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت اروی بنت کُریز رضی اللہ عنہا (حضرت عثمان بن عفانؓ کی والدہ محترمہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: ان کا تعلق خاندان بنو عبد شمس سے تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔ حضرت ارویؓ کی والدہ محترمہ ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، بلکہ بعض روایتوں میں یہ مروی ہے کہ ان کی والدہ محترمہ عبداللہ بن عبدالمطلب والد محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئیں، البتہ یہ بات محقق طور پر ثابت ہے کہ وہ عبداللہ بن عبدالمطلب والدِ محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوطالب بن عبدالمطلب، زبیر بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں۔ ام حکیما لبیضاء کا نکاح کریز بن ربیعہ سے ہوا، جن سے عامر، اروی، طلحہ اور ام طلحہ کی ولادت ہوئی۔

اروی کی ولادت کے وقت والدۂ محترمہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: ایک صاحب جود وسخا، ایک سردار، حلیم وبردبار کثیر العطاء لڑکا ام حکیم کے بطن سے پیدا ہوگا۔ چنانچہ اروی کے بطن سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی، جو کہ درحقیقت ان اوصاف کاملہ، وصفات حمیدہ وستودہ کی حقیقی وارث تھے، یہ اوصاف خود ''اروی'' رضی اللہ عنہا کے اندر بھی بے انتہا موجود تھے، نہایت جود وسخا کی حامل تھیں اور مہمانوں کا خوب استقبال واحترام کرتی تھیں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابۃ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مرزبانی نے ''معجم الشعراء'' میں نقل کیا ہے کہ ''عفعال بن قیس بن عاصم التیمی المنقری زمانہ جاہلیت میں مکہ تشریف لائے، اروی بنت کریز، ام عثمان رضی اللہ عنہا کے ہاں نزول فرمایا، بوقت رحلت اس نے ان کی تعریف میں یہ عربی اشعار کہے:

خلف علی اروی سلاما فإنما — جزاء الثوی أن یعفّ ویحمدا

سلاما أتی من وافق غیر عاشق — أراد رحیلا ما أعفّ وأمجدا

(نساء من عصر النبوۃ: ۱۱۱، دار ابن کثیر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۱=۲۰۰۰م)

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

میں اروی کے پیچھے سلام عرض کرتا ہوں، یہ ایک مہمان کی جانب سے ان کی عفت و باکپازی اور تعریف وتحمید کا بدلہ پیش کروں۔ یہ سلام ایک ایسے محبت رکھنے والے کی جانب سے جو محبت بطور عشق نہیں، جس نے کوچ کا ارادہ کیا ہے، نہایت پاک دامنی اور نہایت بزرگی و برتری کے ساتھ لوٹ رہا ہے۔

شادی: اروی کی شادی پہلے عفان بن ابی العاص (بن امیہ بن عبد شمس) کے ساتھ ہوئی، ان کی صلب سے حضرت عثمان بن عفان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی ''آمنہ'' متولد ہوئیں، جب عفان اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ عفان کی رحلت کر جانے کے بعد ان کا نکاح عقبہ بن ابی معیط سے ہوا، انہیں کی صلب سے، ولید بن عقبہ، عمارۃ بن عقبہ، خالد بن عقبہ، ام حکیم، ام کلثوم پیدا ہوئیں، جو مشہور صحابیات میں سے ہیں، جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

قبول اسلام: عقبہ بن ابی معیط نبی کریم ﷺ کا جانی دشمن، قریش کے عظیم سرداران اور ممتاز لوگوں میں سے تھا، سرکار دو عالم ﷺ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا، یہ شخص کا آپ ﷺ کا جانی دشمن ہوگیا، آپ کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن حضرت اوری کو اللہ تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور وہ ہجرت سے پہلے ہی سعادت اسلام سے بہرور ہوئیں، چنانچہ علامہ ابن سعد الطبقات الکبری لابن سعد میں فرماتے ہیں:

''اروی اسلام لائیں اور اپنی لڑکی ام کلثوم بنت عقبہ کے بعد ہجرت کی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور ہمیشہ مدینہ میں رہیں، اپنے فرزند ارجمند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رحلت فرما گئیں''۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: اروی بنت کریز: ۸/ ۱۸۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

بعض روایتوں کے مطابق حضرت اروی نے بعد بعثت کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام قبول کیا، ان کے فرزند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی زمانے میں مشرف باسلام ہوئے۔ بلکہ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو بن گئے، چنانچہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک دفعہ اپنی اہلیہ اروی سے حضرت عثمان فرزند محترم کے حوالہ سے شکایت کی کہ تمہارا بیٹا محمد (ﷺ) کی مدد و نصرت کرتا ہے، یہ سن کر فرمایا: ان سے زیادہ اولیت کی حامل شخصیت کونسی ہوسکتی ہے؟ ہمارے اموال اور ہماری جانیں نبی کریم جان کی پر قربان ہیں۔

وفات: حضرت اروی ؓ نے طویل عمر پائی، مکی و مدنی دونوں عہدوں کو دیکھا، اتنی طویل اور لمبی عمر پائی کہ نہایت ضعیف اور کمزور ہوچکی تھیں، چنانچہ خلیفہ ثالث فرزند محترم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رحلت فرمائیں۔

تذکارِ صحابہ

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شماران خوش نصیب صحابہؓ میں ہوتا ہے جو سابقین اولین، مہاجرینِ حبشہ، مہاجرینِ مدینہ اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں آپ کا مبارک تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: السيد الكبير الشهيد أبو حذيفة ابن شيخ الجاهلية عتبة بن ربيعة بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي بن كلاب القرشي العبشمي البدري. حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' میں آپ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے: كان من فضلاء الصحابة من المهاجرين الأولين، جمع الله له الشرف والفضل، صلى القبلتين، وهاجر الهجرتين جميعًا. آپ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، نام کی تعیین میں اصحاب سیر کے درمیان اختلاف ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے ہشیم یا ہشام نام ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے مہشم، ہشیم، ہاشم یا قیس وغیرہ نام بتا کر اصل نام کا تعین نہیں کیا۔ آپؓ طویل القامت، روشن چہرہ، آنکھ میں نقص اور بڑی عمر کے لوگوں میں سے تھے، آپ کے دانت اوپر تلے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا ایک دانت زائد تھا۔ آپ نے ایک سے زائد نکاح کیے؛ جن سے متعدد اولاد پیدا ہوئی، محمد بن ابی حذیفہ حضرت سہلہؓ کے بطن سے حبشہ میں پیدا ہوئے، اور عاصم بن ابی حذیفہ حضرت آمنہ بنت عمرؓ سے پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ دونوں لا ولد فوت ہوئے؛ اس لئے حضرت ابوحذیفہ کا سلسلۂ نسل آگے نہ بڑھ سکا۔

قبولِ اسلام:

حضرت ابوحذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤساء قریش میں سے تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی؛ لیکن مشیت ایزدی کو کون ٹال سکتا تھا، خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابوحذیفہؓ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا، جب بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اور فرزندان توحید کی ایک مختصری جماعت کس مپرسی کے ساتھ ظلم و جفا کے پنجے میں جکڑی ہوئی تھی، ابھی

* مدرس شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارارقم میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے، کہ ابوحذیفہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

ہجرتِ حبشہ:

حضرت ابوحذیفہؓ نے ہجرت حبشہ وہجرت مدینہ دونوں کی سعادت حاصل کی۔قریش کے ظلم وتعدی کے بادل جب پیہم برس کر بھی نہ کھلے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاں نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبشہ کو ہجرت کر جائیں،حبشہ قریش کی قدیم تجارت گاہ تھا،وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے،اہل حبش کے فرماں روا کونجاشی کہتے تھے اوراس کے عدل وانصاف کی عام شہرت تھی۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشادفرمایا:’’تم حبشہ کی سرزمین کونکل جاؤ،وہاں ایسا بادشاہ حکمران ہےجس کی سلطنت میں ظلم نہیں کیا جاتا۔وہ امن اورسچائی کی سرزمین ہے،(وہاں اس وقت تک قیام کرنا) جب تک اللہ تمہارے لیےسختیوں سے چھٹکارے کی راہ نہیں نکال دیتا۔‘‘(السیرۃالنبویۃ،ابن ہشام ۱/ ۲۵۵)

علاوہ ازیں ہجرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جوشخص اپنے دل میں اسلام کا نور لیکر جاتا،وہاں بھی نور اسلام کی شعائیں پھیلنا شروع ہوجاتیں۔غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایما سےاول اول گیارہ مرداور چارعورتوں نے ہجرت فرمائی۔ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ،حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اورحضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ کے نام سرفہرست ہیں،ان لوگوں نے پانچ نبوی ماہ رجب میں حبشہ کا سفرکیا۔حسن اتفاق یہ کہ یہ جب بندرگاہ پر پہنچےتو تجارتی جہاز حبشہ کو جارہے تھے۔جہاز والوں نےسستے کرایہ پران کوبٹھالیا،ہرشخص کو پانچ درہم ادا کرنے پڑے۔قریش کوجب خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئےلیکن تب تک جہازنکل چکا تھا۔

ہجرتِ مدینہ:

حضرت ابوحذیفہؓ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک رہے،پھرمکہ واپس آئے اورحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقیم رہے۔چونکہ یہاں ہجرت مدینہ کی تیاریاں ہورہی تھیں اس لئے اپنے غلام سالم کوساتھ لے کر مدینہ تشریف لے گئے۔اورحضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں مواخات کرادی۔

غزوات میں شرکت:

حضرت ابوحذیفہؓ عہدنبوی کے تمام مشہوراوراہم معرکوں میں جوش و جواں مردی کے ساتھ سرگرم عمل رہےخصوصاً غزوہ بدر کے دن جسے قرآن مجیدنے یوم الفرقان کہاحضرت ابوحذیفہؓ کا باپ عتبہ بن ربیعہ جہنم واصل ہوا۔اللہ کےرسول کا یہ جانی دشمن مشرکوں کی طرف سے جنگ میں شریک تھا۔ابن سعد نے بیان کیاہے کہ

غزوۂ بدر میں حضرت ابوحذیفہؓ نے اپنے والد عتبہ بن ربیعہ کو مبارزت کے لیے للکارا تو ان کی بہن اور ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے یہ اشعار کہے:

الأحول الأثعل المشؤوم طائره
أبوحذيفة شر الناس فى الدين

''بھینگا، جس کے دانت پر دانت چڑھے ہوئے ہیں، منحوس قسمت والا، ابوحذیفہ سب لوگوں میں بدترین عقیدے والا ہے۔''

أما شكرت أبًا رباک من صغر
حتى شببت شبابًا غير محجون

''تو نے اپنے باپ کا احسان نہیں چکایا جس نے تجھے بچپن سے پروان چڑھایا، یہاں تک کہ تو پورا جوان ہوگیا، بے کج کمر والا۔'' (ملخص از سیر اعلام النبلاء)

الغرض: عتبہ کا روبہ رو مقابلہ تو بہ اختلاف روایت حضرت عبیدہ بن حارث یا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ہوا اور آخر کار حضرت حمزہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) نے مل کر اسے انجام تک پہنچایا۔ ابن اثیر کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہؓ کو اپنے والد سے دو بہ دو مقابلہ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ (اسد الغابہ ۵/۱۷۰)

تکمیل فتح مبین پر مقتولین قریش کو ایک گڑھا یا کنواں کھود کر اس میں پھینک دیا گیا۔ صحابۂ کرام کہتے ہیں کہ ہم نے آدھی رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی۔ آپ فرما رہے تھے: او گڑھے والو، تم نبی کا کتنا ہی برا کنبہ تھے، تم نے مجھے جھٹلایا جب اور لوگوں نے میری تصدیق کی؛ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا جب دوسروں نے مجھے پناہ دی؛ تم نے مجھ سے جنگ کی، جبکہ لوگوں نے میری نصرت کی۔ پھر آپ پکارے: او عتبہ بن ربیعہ، او شیبہ بن ربیعہ، او امیہ بن خلف، او ابوجہل بن ہشام، آپ نے کنویں میں موجود دوسرے لوگوں کے بھی نام لیے اور فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟ میں نے تو اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ، آپ ان لوگوں کو خطاب کر رہے ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپ نے جواب فرمایا: میں جو باتیں ان سے کر رہا ہوں، تمہاری سننے کی صلاحیت ان سے زیادہ نہیں ہے، تاہم یہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔

حضرت ابوحذیفہؓ کے والد عتبہ کے جثے کو جب گھسیٹ کر گڑھے میں پھینکا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہؓ کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آپ نے دیکھا کہ ان پر غم اور افسردگی کے بادل چھائے ہوئے

تھے۔فرمایا: لگتا ہے، اپنے باپ کے انجام سے تمھیں دکھ پہنچا ہے؟۔عرض کیا: نہیں نہیں!! اللہ کے نبی! بہ خدا، ایسا نہیں ہے۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ میرا باپ مشرک تھا اور اس کا یہی انجام ہونا تھا۔ میں نے اپنے باپ میں اصابتِ رائے، دوراندیشی اور کمال کی فضیلتیں دیکھ رکھی تھیں، اس لیے توقع تھی کہ یہ خوبیاں اسلام کی طرف اس کی راہ نمائی کریں گی۔ میری امیدوں کے برعکس جب وہ کفر پر مرا تو مجھے رنج ہوا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تب حضرت ابوحذیفہؓ کے لیے دعاے خیر فرمائی۔حضرت ابوحذیفہؓ نے جنگ احد، جنگ خندق اور باقی تمام غزوات اور صلح حدیبیہ میں شرکت کی۔

جنگ یمامہ اور واقعہ شہادت:

سن ۱۱ ھ میں سیدنا ابوبکر نے یمامہ کے جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب (جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں) کی سرکوبی کے لیے تیرہ ہزار کا لشکر حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں روانہ کیا۔حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براءؓ انصار کے کمانڈر تھے، جبکہ حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت زیدؓ مہاجرین کے سالار تھے۔ ہر قبیلے کی جدا کمان بھی تھی۔جیش اسلامی کا مسیلمہ کی فوج سے سامنا ہوا تو دونوں فوجوں نے اپنی اپنی ترتیب درست کی۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت خالد مخزومی (یا حضرت شرحبیل بن حسنہؓ) کو مقدمہ کی کمان دی، جبکہ میمنہ و میسرہ پر حضرت زیدؓ اور حضرت ابوحذیفہؓ کو مقرر کیا۔مہاجرین کا پرچم سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ نے تھام لیا۔حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت زیدؓ نے آخری دم تک دشمن سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ نے فوج کو دلیری دی اور خوب جوش دلایا۔حضرت زیدؓ نے کہا: واللہ، میں دشمن کو شکست سے دوچار کرنے تک کوئی کلام نہ کروں گا یا اللہ سے جا ملوں گا اور اسی سے اپنی معذوری بیان کروں گا۔لوگو! اپنے دانت دبا لو اور دشمن پر کاری وار کر ڈالو۔ چنانچہ جیش اسلامی جھوٹے نبی کی فوج پر پل پڑا اور اسے پرے دھکیل دیا۔اس حملے میں حضرت زیدؓ شہید ہوئے۔اب حضرت ثابتؓ للکارے: مسلمانو! تم حزب اللہ ہو اور یہ حزب الشیطان۔عزت اللہ، اس کے رسول اور اس کے احزاب ہی کو حاصل ہوگی۔ جیسے میں دشمن پر حملہ کر رہا ہوں، تم بھی کر کے دکھاؤ۔وہ شمشیر زنی کرتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور اس پر قابو پالیا۔اب حضرت ابوحذیفہ پکارے: اے قرآن کے حاملو! قرآن کو اپنے کارناموں سے مزین کرو۔اس پکار کے ساتھ انھوں نے مسیلمہ کے لشکر پر زوردار حملہ کیا، صفوں کو چیرتے آگے بڑھ گئے اس طرح دشمنوں کے خلاف داد شجاعت دیتے ہوئے ۵۴ / ۵۳ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

اصلاحی مضامین

ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور قربانی کے احکام و مسائل

از: مولانا نجیب قاسمی سنبھلی*

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم (سورۃ الفجر: ۲) میں ذی الحجہ کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے (وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ) جس سے معلوم ہوا کہ ماہ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حج کا اہم رکن: وقوفِ عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ غرض رمضان کے بعد ان ایام میں اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ لہٰذا ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کا ذکر کریں، روزہ رکھیں، قربانی کریں۔ احادیث میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند احادیث درجِ ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (طبرانی) ان ایام میں ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیرِ تشریق کے کلمات یہ ہیں: اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَاللّٰهُ اَكْبَر۔ اللّٰهُ اَكْبَر۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

عرفہ کے دن کا روزہ:

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (صحیح مسلم) مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا نویں ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

* بانی النور پبلک اسکول سنبھل

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ الگ الگ دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں؛ کیونکہ یوم عید الفطر، یوم عید الاضحیٰ، شبِ قدر اور یومِ عاشورہ کے مثل ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ کا روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، انشاءاللہ۔

قربانی کی حقیقت:

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لیے رہا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ** (سورۃ الحج ۳۴) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی؛ تاکہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے؛ لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم وعظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی جان ومال ووقت ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی جس میں سے ۶۳ اونٹ کی قربانی آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر (یعنی ذبح) فرمائے۔ (صحیح مسلم۔ حجۃ النبی ﷺ) یہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد (ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں) کا عملی اظہار ہے اور اس عمل میں اُن حضرات کا بھی جواب ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کو پیسے تقسیم کردیے جائیں۔ اسلام نے جتنا غریبوں کا خیال رکھا ہے اس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی؛ بلکہ انسانیت کو غریبوں اور کمزوروں کے درد کا احساس شریعتِ اسلامیہ نے ہی سب سے پہلے دلایا ہے۔ غرباء ومساکین کا ہر وقت خیال رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم عید الاضحیٰ کے ایام میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اپنے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جیسا کہ ساری انسانیت کے نبی حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دارقطنی، سنن کبری للبیہقی)

اِن دِنوں بعض حضرات نے باوجودیکہ قربانی کے سنتِ مؤکدہ اور اسلامی شعار ہونے کا موقف اختیار کیا ۱۴۰۰ سال سے جاری وساری سلسلہ کے خلاف اپنے اقوال وافعال سے گویا یہ تبلیغ کرنی شروع کردی ہے کہ ایک قربانی پورے خاندان کے لیے کافی ہے اور قربانی کم سے کم کی جائے جو سراسر قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہے؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں زیادہ سے زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔

دیگر اعمال صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب ومقصود رضاء الٰہی ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سورۃ الانعام: ۱۶۲) میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کی رضامندی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ نیز اللہ جلّ شانہ کا فرمان ہے: لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ (سورۃ الحج: ۳۷) اللہ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے نہ اُن کا خون؛ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی۔ ابواب الاضاحی) غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بوجہ قلت طعام کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اون کے بدلے میں کیا ملے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے میں (بھی) نیکی ملے گی۔

(سنن ابن ماجہ۔ باب ثواب الاضحیہ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا

سبب بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی۔ باب ماجاء فی فضل الاضحیہ)

قربانی کا وجوب:

قربانی کو واجب یا سنتِ موکدہ قرار دینے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ مگر پوری امتِ مسلمہ متفق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہے اور جو شخص قربانی کر سکتا ہے اس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے خواہ اس کو واجب کہیں یا سنتِ موکدہ یا اسلامی شعار۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے باوجود یکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اشیاء خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبل کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ ہندو پاک کے جمہور علماء نے بھی وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔ قربانی کے وجوب کے لیے متعدد دلائل میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم (سورۃ الکوثر) میں ارشاد فرماتا ہے: **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ اس آیت میں قربانی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور امر عموماً وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مفسرینِ کرام نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاصؒ (ولادت ۳۰۵ھ) اپنی کتاب (احکام القرآن) میں تحریر کرتے ہیں: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت (**فَصَلِّ لِرَبِّكَ**) میں جو نماز کا ذکر ہے، اس سے عید کی نماز مراد ہے اور (**وَانْحَرْ**) سے قربانی مراد ہے۔ مفسر قرآن شیخ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) عید کی نماز واجب ہے۔ (۲) قربانی واجب ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ پھٹکے۔ (سنن ابن ماجہ۔ باب الاضاحی ہی واجبہ ام لا، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، السنن الکبری ج ۹ ص ۲۶۰ کتاب الضحایا) وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوڑنے پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

(۳) حضرت جندب بن سفیان البجلی ؓ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا تو اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ (عید کی نماز کے) بعد ذبح کرے۔ (صحیح بخاری۔ باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد) حضور اکرم ﷺ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے قبل جانور ذبح کرنے پر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا؛ حالانکہ اُس زمانہ میں صحابۂ کرام ؓ کے پاس مالی وسعت نہیں تھی۔ یہ قربانی کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے:

ہر صاحبِ حیثیت کو قربانی کرنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کے لیے صاحب وسعت ہونا ضروری ہے؛ البتہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ (المحلی بالآثار لابن حزم ج ۶ ص ۳۷)

قربانی کے جانور:

بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ (نر و مادہ) قربانی کے لیے ذبح کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آٹھ جانور ہیں دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے، دو اونٹوں میں سے اور دو گائیوں میں سے۔ (سورۃ الانعام ۱۴۳ و ۱۴۴)

قربانی کے جانوروں میں بھینس بھی داخل ہے؛ کیونکہ یہ بھی گائے کی ایک قسم ہے، لہٰذا بھینس کی قربانی بھی جائز ہے۔ امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا ہے۔ (کتاب الاجماع لابن منذر ص ۳۷) حضرت حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے کے درجہ میں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۶۵) حضرت امام سفیان ثوریؒ (متوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ بھینسوں کو گائے کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۳) حضرت امام مالکؒ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے ہی ہے (یعنی گائے کے حکم میں ہے) (موطا مالک باب ماجاء فی صدقۃ الفطر) ہندوپاک کے جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔ سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ محمد بن عثیمین نے بھی بھینس کو گائے کے حکم میں شامل کیا ہے۔ بھینس عربوں میں نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے اس کا ذکر قرآن کریم میں وضاحت سے نہیں ہے۔ (مجموع فتاوی و رسائل شیخ ابن عثیمین ۲۵/۳۴)

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں یہی مذکور ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔

جانور کی عمر:

قربانی کے جانوروں میں بھیڑ اور بکرا بکری ایک سال، گائے اور بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ وہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

اگر قربانی کا جانور بکرا، بکری، بھیڑ یا دنبہ ہے تو وہ صرف ایک آدمی کی طرف سے کفایت کرتی ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بکری ایک آدمی کی طرف سے ہوتی ہے۔ (اعلاء السنن۔ باب ان البدنۃ عن سبعۃ)

اگر قربانی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہو جائیں۔ (صحیح مسلم۔ باب جواز الاشتراک الخ.) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ والے سال حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ قربانی کی؛ چنانچہ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔ (صحیح مسلم۔ باب جواز الاشتراک الخ.)

وضاحت: حجۃ الوداع اور صلح حدیبیہ کے موقع پر اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہوئے تھے، اس پر قیاس کر کے علماء امت نے فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی میں بھی اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام:

قربانی کے تین ایام ہیں ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ر ذی الحجہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کی آیت (وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ سے مراد یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) اور اس کے بعد دو دن ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج ۶ ص ۲۶۱)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہیے۔ (صحیح بخاری۔ باب مایوکل من لحوم الاضاحی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں؛ اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

وضاحت: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں اجازت دے دی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جاسکتا ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۵۹) اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب تین دن کے بعد گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی تو تین دن کے بعد قربانی بھی کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ گوشت تو پورے سال بھی رکھا جاسکتا ہے تو کیا قربانی کی اجازت بھی پورے سال ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں۔ (موطا مالک۔ کتاب الضحایا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن ۱۰ ذی الحجہ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں؛ البتہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو قربانی کرنا افضل ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ج ۲ ص ۲۰۵)

وضاحت: بعض علماء کرام نے مسند احمد میں وارد حدیث (كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذِبْحٌ) کی بنیاد پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی نہیں کرسکا تو ۱۳ ذی الحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے؛ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن کی جاسکتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خود اپنی کتاب میں وارد حدیث کے متعلق وضاحت کردی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحریر کیا ہے کہ متعدد صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قربانی کو صرف تین دن تک محدود رکھا جائے؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی ایک صحابی سے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کرنا ثابت نہیں ہے۔

قربانی کرنے والا ناخن اور بال نہ کاٹے:

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔ لہٰذا اگر بال یا ناخن وغیرہ کاٹنے کی ضرورت ہو تو ذی القعدہ کے آخر میں فارغ ہوجائیں۔

اصلاحی مضامین

قربانی کا گوشت اور ہمارا طرزِ عمل

از قلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

عید الاضحیٰ کے موقع پر پورا عالم اسلام اپنے دلوں میں خوشی و مسرت کے جذبات کو محسوس کرتا ہے اور ملت اسلامیہ کی ایک بڑی تعداد ایام قربانی میں پورے جوش و جذبہ اور فدائیت کے ساتھ سنت ابراہیمی اور عظیم اسلامی شعار" قربانی" کو زندہ کرتی ہے، لیکن افسوس کہ دیگر عبادتوں کی طرح یہ عظیم عبادت بھی دھیرے دھیرے رسم بنتی جارہی ہے اور قربانی کے اصل مقصد اور حقیقی پیغام سے امت مسلمہ غافل ہو کر گوشت خوری تک محدود ہوتی جارہی ہے۔

قربانی کے بہت عظیم مقاصد ہیں اور اس سے ملنے والے واقعات اور اسباق انتہائی اہم اور ضروری ہیں، قربانی کی روح جہاں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کا حصول ہے وہیں یہ بھی ہے کہ راہ خدا میں اپنی انا کو قربان کردیا جائے، قربانی کا سبق جہاں سنت ابراہیمی کی یاد کو تازہ کرنا ہے وہیں گناہوں سے احتراز اور تقوی و طہارت والی زندگی کو اپنانا بھی ہے، قربانی کا مقصد جہاں جانور کو ذبح کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا وہیں یقینی طور پر غریبوں محتاجوں کی ہمدردی و غمخواری کے بغیر، عزیز واقارب اور پڑوسیوں کے حقوق کو ادا کئے بغیر بھی ممکن نہیں ہے. یہ جاننا انتہائی ضروری اور اہم ہے کہ قربانی کا مقصد کیا ہے؟ اسکی کیا اہمیت ہے؟ اسکا کیا سبق ہے؟ ہر سال عید کے موقع پر ہم قربانی کے ذریعے کیا یہ مقاصد حاصل کررہے ہیں؟ یا صرف رسمی طور پر عمدہ سے عمدہ جانور خرید کر اور اس کا خون بہا کر سستی شہرت اور صرف نام ونمود اور دکھلاوا کررہے ہیں؟

خلّاقِ عالم نے اس کائنات کو اپنی حکمت بالغہ سے فرق مراتب کے ساتھ آراستہ کیا ہے چنانچہ اس دنیا میں رہنے والوں میں امیر بھی ہیں اور غریب بھی، بادشاہ بھی ہیں اور فقیر بھی، بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی، کچھ رزق میں کشادہ ہیں تو کچھ انتہائی تنگدست اور قلاش بھی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ (سورۃ النحل:۷۱)

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

یہ اس لیے کہ امراء فقراء کے کام آئیں اور اور مالدار غریبوں اور کمزوروں کی اعانت کریں، زکوٰۃ کا سارا نظام اور صدقات کے تمام مراحل اس پر گواہ ہیں، خاص طور پر قربانی کا گوشت اور اسلامی نقطہ نظر سے اس کی تقسیم کا طریقہ کار اس کی واضح دلیل ہے اس لئے کہ آج بھی بہت سے غریب و مسکین گھرانے ایسے ہیں جنہیں پورے سال بھی گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا، ایک دور تھا جب فریج کی بلا نہیں تھی، پیٹ کی حرص کے بجائے غریب کا پیٹ بھر جائے تو سکون ملا کرتا تھا، انسان انسانیت کا غم جانتا تھا، پڑوسی پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا، ایک پڑوسی سے دوسرے پڑوسی کو تکلیف نہ پہونچے اس غرض سے اچھے اور مزیدار کھانے نہیں بنائے جاتے تھے لیکن آج کا دور انتہائی تاریک اور خطرناک ہے، نہ انسانیت کا غم ہے نہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، نہ خاندانوں کا لحاظ ہے نہ قریبی رشتہ داروں سے بہتر تعلقات جبکہ قرآن مجید قربانی کے گوشت کے سلسلے میں اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے: فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔ (الحج:28)

اس آیت کے ضمن میں مفسر قرآن حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"قربانی کرنے والا خود اور ہر مسلمان غنی ہو یا فقیر اس میں سے کھا سکتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ غرباء فقراء کو دے دیا جائے ---بائس کے معنے بہت تنگدست مصیبت زدہ اور فقیر کے معنے حاجت مند کے ہیں مطلب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے ان کو بھی کھلانا اور دینا مستحب اور مطلوب ہے۔" (معارف القرآن تفسیر سورۃ الحج آیت نمبر 28)

نیز اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ (الحج:36)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھانا چاہیے، دوست احباب، خویش و اقارب اور ان مساکین کو بھی کھلانا چاہیے جو سوال نہیں کرتے اور ان فقراء و مساکین کو بھی جو سوال کے لیے آجاتے ہیں۔ علماء امت نے قربانی کی تقسیم کے اس عمل کو پسندیدہ قرار دیا ہے کہ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ایک حصہ اپنے لئے، ایک قرابت داروں و ہمسایوں کیلئے۔اور ایک فقراء و مساکین کیلئے مختص کیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مذہب رکھتے ہیں جس میں ہے (وہ خود ایک تہائی کھائے اور ایک تہائی جسے چاہے کھلائے، اور ایک تہائی مساکین و غرباء پر تقسیم کردے)۔

ابوموسیٰ اصفہانی نے اسے الوظائف میں روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے، اور ابن مسعود، ابن عمرؓ کا

قول بھی یہی ہے، اور صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ان دونوں کا مخالف نہیں۔ (المغنی: 632/8)

غور کریں! قربانی کا ایک بڑا مقصد غرباء پروری اور محتاجوں کی اعانت ہے، مالدار طبقہ تو سارا سال مرغن غذاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے، لیکن عید الاضحیٰ کے موقعہ پر بھی فریج اور فریزر کے ذریعے غریبوں کا حق چھین لیا جارہا ہے، قربانی کا سارا گوشت جمع کر کے رکھ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن غریب کا حق کہاں ہے؟ کیا غریب اور کمزور آدمی اس خوشی اور مسرت کے ماحول میں پیٹ بھر گوشت بھی نہیں کھا سکتا ہے؟ یہ فریج کی بلا اللہ کی پناہ! اس نے ہم سے سخاوت چھین لی، ہم بخالت اور حرص کے گہرے دلدل میں پھنس گئے، ہمیں اپنی اس حالت پر غور کرنا چاہیے کتنے سفید پوش، بے روزگار اور کتنی بیوہ مائیں ہیں جن کو مہنگائی اور بیروزگاری نے محتاج بنا دیا، حالات نے ان کی کمر توڑ دی، عید کے اس پر رونق موقع اور خوشی کے اس پر مسرت ماحول میں آپ ان غرباء اور محتاجوں کی حاجات کو پورا کر کے قربانی کی حقیقی روح اور اس کے حقیقی مقصد تک رسائی حاصل کریں۔

خدا آپ کا حامی وناصر ہو اور آپ کی قربانی کو بے حد قبول فرمائے. آمین ثم آمین یارب العالمین

اصلاحی مضامین

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

دورہ حدیث کے سال صحیح بخاری کے درس کے دوران استاذ الاساتذہ محبوبی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ ”کوائن وموجودات کی تخلیق کے بعد دنیا کی ہر شئی نظیف و پاکیزہ اور متبرک تھی حتیٰ کہ تمام دریاؤں کا پانی میٹھا اور ہر پھل کا حجم موجودہ سائز سے خاصا بڑا تھا، حضرت الاستاذ نے تمثیلاً گیہوں کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ" گیہوں اتنا بڑا ہوا کرتا تھا" پھر جیسے ہی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کا قتل کیا تو اس معصیت کے اثر سے دنیا کی برکات اٹھتی چلی گئیں پھر جیسے جیسے دنیا میں معاصی کی بہتات ہوتی گئی ہر چیز پر اس کا فاسد اثر مرتب ہونے لگا حتیٰ کہ اب دیکھو گیہوں اتنا سا ہوگیا ہے۔“

حاصل حضرت کے کلام کا یہ تھا کہ انسان جو گناہ کرتا ہے اس سے تنہا اس کی ذات کو نہیں بل کہ دنیا کی ہر شئی کو نقصان پہونچتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم:۴۱) لوگوں نے جو کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا، علامہ آلوسیؒ نے آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ ومجاہد رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ بر (خشکی) میں فساد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا جو کہ دنیا میں سب سے پہلی معصیت تھی، اور بحر (سمندر) میں فساد سے مراد حضرت موسیٰ کے زمانے میں ظالم بادشاہ جلندی کا کشتیوں کو ظلماً غصب کرنا ہے جس کے بابت قرآن مجید میں آیا ہے: "يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً"؛ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین پہلے سرسبز و شاداب تھی، انسان جس درخت کے پاس سے بھی جاتا پھلوں کو پالیتا، سب سمندروں کا پانی میٹھا تھا، شیر گائے پر اور بھیڑیا بکری پر کبھی حملہ نہیں کرتا تھا، پھر جیسے ہی قابیل نے ہابیل کا قتل کیا زمین پر پانی برسنا بند ہوگیا، درختوں پر کانٹے اگنے لگے، دریاؤں کے پانی میں کھارے پن کا آغاز ہوگیا اور جانور ایک دوسرے پر حملہ کرنے لگے۔ (تفسیر روح المعانی للآلوسی)

---

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں بعض علماء کے حوالے سے بڑی عجیب بات بیان فرمائی، لکھتے ہیں" جو انسان کوئی گناہ کرتا ہے وہ ساری دنیا کے انسانوں، چوپایوں اور چرندوں و پرندوں جانوروں پر ظلم کرتا ہے، کیوں کہ اس کے گناہوں کے وبال سے جو بارش کا قحط اور دوسرے مصائب دنیا میں آتے ہیں اس سے سب ہی جان دار متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز یہ سب بھی گناہ گار انسان کے خلاف دعویٰ کریں گے، اور شقیق زاہد نے فرمایا کہ جو شخص حرام مال کھاتا ہے وہ صرف اس پر ظلم نہیں کرتا جس سے یہ مال ناجائز طور پر حاصل کیا ہے، بل کہ پورے انسانوں پر ظلم کرتا ہے(روح) کیونکہ اول تو ایک کے ظلم سے دوسرے لوگوں میں ظلم کرنے کی رسم پڑتی ہے اور یہ سلسلہ ساری انسانیت کو محیط ہوجاتا ہے۔ دوسرے اس کے اس عمل کی وجہ سے دنیا میں آفتیں اور مصائب آتے ہیں جس سے سب ہی انسان متاثر ہوتے ہیں۔(معارف القرآن للعثمانی)

ان تفاسیر وتشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات کا تغیر وتبدل اور احوال عالم میں رونما انقلابات کے پس پردہ انسان کی عملی زندگی کا بہت بڑا اثر ہے، اچھے اعمال کے بدلے اچھے احوال اور معاصی کی کثرت کے وقت مصائب وآزمائشوں کی آمد دستور کائنات ہے۔

احوالِ عالم پر نظر کرنے سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ مصیبت زدہ اور پریشان حال قوم مسلمان ہیں، مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ وہی مصائب وآلام کے بھنور میں پھنسے نظر آتے ہیں، نہ ان کے جذبات کی کوئی قدر ہے نہ جانوں کی کوئی قیمت، مختصراً جائزہ لیں تو چین میں اب تک کی رپورٹ کے مطابق لاکھوں کی تعداد میں ایغوری مسلمانوں کی جسمانی اور جنسی تشدد میں موت ہوچکی ہے، وہاں فوجیوں کے ذریعہ لڑکیوں کی اجتمائی عصمت دری کی جاتی ہے اور اسقاط حمل یا بانجھ بنانا بھی عام ہے، وہاں نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، عبادت کرنا، اپنے بچوں کا اسلامی طرز پر نام رکھنا،، ماؤوں کو بچوں کے سامنے زبردستی شراب پلانا، اسکول کے بچوں سے کفر آمیز کلمات کہلوانا غرض اسلام کی بات ماننا اور مسلمان ہونا سنگین جرم ہے، کیمپوں میں جمعہ کے روز کھانے میں خنزیر کا گوشت کھانے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، رمضان میں اگر کسی نے خاموشی سے روزہ رکھ لیا تو اس شخص کی داڑھی نوچی جاتی ہے، ایسے نہ جانے کتنے ہولناک اور اذیت ناک سانحات ہیں، بے رحمی کی حد یہ ہے کہ حال میں ایک اپارٹمنٹ میں لگ بھگ چالیس ایغوری مسلمان آگ کی لپیٹ میں گھر گئے تھے تو فائر اسٹیشن والوں نے فائر انجن بھیجنے کے بجائے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو جلتا ہوا چھوڑ دیا؛ فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے سال بھر کے مظالم، قبلہ اول مسجد اقصی کی بے حرمتی، دوران نماز مسلمانوں کو دھکے

دے کر بھگانا، نمازیوں پر اور بے چارے فلسطینی عوام کے گھروں پر بم بارود اور گولیوں اور میزائلوں کے حملے، بے سبب گرفتاریاں، ماضی قریب میں روہنگیا اور برما کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے دلخراش واقعات، کئی سالوں سے سسکتے ہوئے ایرانی مسلمان، سری لنکا میں شعائر اسلام کے ساتھ تعرض اور عبادتوں پر پابندیاں، مسلمانوں کے ساتھ تعصّبانہ برتاؤ، اسلامیت کا دم بھرنے والے پڑوسی ملک کی سیاسی و معاشرتی صورتحال، زلزلوں اور طوفانوں کی کثرت، اس پر مستزاد ایک بڑی مسلم آبادی والے بہترین تہذیب اور عمدہ قانون کے حامل ملک ہندوستان کی دم توڑتی جمہوریت، اقلیتوں کے ساتھ کیا جانے والا ناروا سلوک، کبھی مساجد کے مینار یں گرا کر، ہلالی پرچموں کو اکھاڑ کر زعفرانی جھنڈے لہرا کر، بے قصور نوجوان مسلمانوں کی لنچنگ اور ان سے زبردستی کلمات کفر کہلوانے کی کوشش، کبھی بے وجہ یا پروپیگنڈا رچا کر ان کی گرفتاریاں، مسلمان تجّار کے ساتھ متعصّبانہ رویہ اور ان کی زدوکوب، کبھی باپردہ مسلم بہنوں کے حجاب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور ان پر یکطرفہ پابندیاں، مسلم دوشیزاؤں کے ایمان لوٹنے کی منصوبہ بندیاں، اذان، نماز، قربانی جیسے خالص مذہبی احکام سے لے کر نکاح، طلاق اور تعدد ازدواج جیسے پرسنل مسائل میں دخل اندازی، مدارس، مساجد درگاہوں اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے انہدام کی کوششیں، غرض کیا لکھیں؟ کتنا لکھیں؟ ہر باشعور زندہ دل آدمی کے سامنے اہل اسلام کی قومی و بین الاقوامی ظلم وستم کی داستان بالکل واضح ہے، بایں ہمہ تمام عالمی کانفرنسیں اور ملی کونسلیں اس پر ایسی لمبی چپ کیے ہوئے ہیں جیسے گویا ان کو کوئی خبر ہی نہیں، یا پھر ان کا بھی یہی منشا ہے اور مسلمان اسی کے سزاوار ہیں، طرفہ تماشہ یہ کہ ملکی حکمراں جو عوام سے ووٹوں کی بھیگ مانگ کر کرسی نشین بنے ہیں ان سارے مظالم کی در پردہ پشت پناہی کر رہے ہیں اور مظلوم کی دادرسی کے بجائے ظالم کی دستگیری اور ان کے لیے ہمت اور تحفظ و دفاع فراہم کر رہے ہیں۔

یہ صورتحال انتہائی اندوہناک اور دل دوز ضرور ہے لیکن ظاہری آنکھ کے بجائے حکمت کی نگاہ سے دیکھا جائے، ایموشنل ہونے کے بجائے خدائی نظام کو مدنظر رکھ کر غور کریں تو ایسا لگتا ہے کہ ملت اسلامیہ پر یہ ساری آفتیں و مصیبتیں اور بے دل حکام کا تسلط خود مسلمانوں کی کارستانیوں اور بداعمالیوں کا خمیازہ ہے، انفرادی زندگی تو معاصی کا محور ہے ہی، اجتماعی سطح پر بھی مسلمان ایسے شرمناک اعمال کے مرتکب ہیں جس سے خدا کا قہر ٹوٹ پڑا ہے، علم دین سے لاتعلقی، فرائض وواجبات سے کلی تغافل، کتاب وسنت سے دوری، شرائع وشعائر کی بے توقیری، احکام اسلام کا استخفاف اور مغربیات کو اسلامی تعلیمات سے برتر سمجھنا اور قانون محمدی کو فرسودہ قرار دینا، تدین کو دَقیانوسیت گردانا، اس پر مستزاد مسلم حکمرانوں کی بے حسی وعیاری، ترقی کے نام پر تمام تر اسلامی اقدار کی پامالی

اورحجاز مقدس میں نائیٹ کلبس ، میوزک کنسرٹس ،کلبوں اور پبوں کو قائم کر کے اس کی عظمت کی پامالی، حالیہ رپورٹ کے مطابق شہر رسول مدینہ منورہ میں سینما ہال کے انعقاد کی منصوبہ بندیاں بے پردگی وبے ہودگی کے تمام تر مواقع کی فراہمی وغیرہ مسلم معاشرے کا ایسا ناسور ہے جو خدا کے غیض کو متوجہ کرنے اور وراثت ارضی سے محرومی کا متقاضی ہے،آج امت مسلمہ کے زوال کا یقینی سبب یہی سب حرکتیں ہیں،ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان پہلے ہی سے مظلوم ومقہور قوم رہی ہے،بل کہ ہر باشعور دانشمند شخص جانتا ہے کہ ماضی قریب تک کرہ ارض کے ایک وسیع حصے پر ہلالی پرچم کا راج رہا ہے،لیکن جب مسلمانوں نے خدا کے احکام کے آگے سرنگوں ہونے کے بجائے سرکشی شروع کردی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے وفائی کی،اور اپنے اخلاق،کو اطوار کو، عادات کو، کردار کو سلف سے ہم آہنگ کرنے کے بجائے نفسانی خواہشات کے رخ پر ڈالا اور خدا کے انعامات کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر کیف ما اتفق تصرف کرنے لگے تو اللہ نے بھی ان سے وہ سارے امتیازات واختیارات چھین لیے جو ان کا سرمایہ افتخار ہوا کرتے تھے،اور یہ قوم حاکم سے محکوم اور غالب سے مغلوب بن گئ" تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ " دنیا میں خدا کا یہی نظام ہے،خلافت ارضی اور اقتدار کسی کی جاگیر نہیں،إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ" (اعراف:۱۲۸) زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے وہ جس کو چاہے اس کا مالک و وارث بنادے،بس اس کے استحقاق کے لئے کچھ صفات کا ہونا ضروری ہے، اس سلسلے میں شہنشاہ قلم مولانا ابوالکلام آزاد کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:" تورات،انجیل اور قرآن تینوں نے وراثت ارض کی ترکیب جا بجا استعمال کی اورغور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے، دنیا کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت واقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد یا گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہوجاتا ہے،حکومتیں کیا ہیں،محض ایک ورثہ ہیں؛ جو ایک گروہ سے نکلتا ہے اور دوسرے گروہ کے حصہ میں آجاتا ہے۔پس قرآن کہتا ہے ایسا کیوں ہے، اس لیے کہ وراثت ارض کی شرط اصلاح وصلاحیت ہے، جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائے گی، جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی، اور تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔(فاطر:۴۳)سورۃ الرعد میں فرمایا گیا: اسی نے آسمان سے مینہ برسایا، پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ، ہوا، جھاگ آ گیا۔اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔اس طرح خدا حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہوجاتا ہے۔اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا

رہتا ہے۔اس طرح خدا(صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے(تا کہ تم سمجھو)۔(الرعد:17)

تو یہ جو کچھ بھی ہے، حق و باطل کی آویزش ہے؛ لیکن حق اور باطل کی حقیقت کیا ہے؟ کونسا قانون ہے جواس کے اندر کام کررہا ہے؟ یہاں واضح کیا گیا کہ یہ بقاءِ انفع کا قانون ہے یعنی اللہ نے قانون ہستی کے قیام و اصلاح کے لیے یہ قانون ٹھہرایا ہے کہ یہاں وہ چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو؛ جس میں نفع نہیں وہ نہیں ٹھہر سکتی، اسے نابود ہوجانا ہے؛ کیوں کہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ، یہ حسن، یہ ارتقاء قائم نہیں رہ سکتا، اگراس میں خوبی کی بقاء اور خرابی کے ازالے کے لیے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی۔ یہ قوت کیا ہے؟ فطرت کا انتخاب ہے، فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے، وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور برتری ہی باقی رکھتی ہے، فساد اور نقص محو کر دیتی ہے۔ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں، قرآن کہتا ہے اس کارگاہ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو؛ کیوں کہ یہاں رحمت کارفرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ افادۂ فیضان ہو، وہ نقصان گوارا نہیں کرسکتی۔ وہ کہتا ہے: جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی ہے؛ جو چیز نافع ہوتی ہے اسے باقی رکھتی ہے اور جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے۔ٹھیک ٹھیک عمل ایسا ہی معنویات میں بھی جاری ہے جو عمل حق ہوگا قائم اور ثابت رہے گا، جو باطل ہوگا مٹ جائے گا اور جب کبھی حق و باطل کا مقابلہ ہوگا تو بقاء، حق کے لیے ہوگی نہ کہ باطل کے لیے۔ وہ اسی کو قضاء بالحق سے تعبیر کرتا ہے یعنی فطرت کا فیصلہ حق جو باطل کے لیے نہیں ہوسکتا۔(منقول)

پھر یہ جو حکومت واقتدار ہم مسلمانوں سے چھن گیا تو کم ازکم ہمارے حق میں بہتر ہوتا کہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کوئی اچھے اور انصاف پرور حکمران نصیب ہوتے، اور اہل اسلام امن وچین کی زندگی بسر کرپاتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ اس وقت مسلم امہ حکومتی پابندیوں اور جبر و اکراہ کے سائے تلے جی رہی ہے، ملکی صورتحال تو ضاقت علیهم الأرض بما رحبت کا منظر نامہ پیش کررہی ہے، اس کے علاوہ بھی بیشتر ممالک جہاں مسلم حکّام کے ہاتھوں نظام اقتدار ہے سماج کے سارے حقوق غصب کر کے ظالمانہ حکومت کررہے ہیں، جب نادرشاہ نے 1739ء میں دہلی کے تاج پر قبضہ کیا تو بغاوت کے خوف سے مغلوں کو اس قدر کثرت کے ساتھ قتل کیا کہ مغل تاریخ اس کو کبھی فراموش نہیں کرسکے گی، اس ظلم کے پس منظر میں ایک شاعر نے ایک مصرع کہا: "شامت اعمال ما صورت نادر گرفت" یعنی ہمارے بداعمالیوں کا عذاب نادرشاہ کی شکل میں ہم پر مسلط ہوا ہے، چنانچہ ہم بھی حالات کا شکوہ اور حکمرانوں کو کوسنے کے بجائے خود ہی کو مجرم سمجھیں، کیوں کہ یہاں پر بھی اللہ کا یہی قانون ہے، گویا یہ مکافاتِ عمل ہے، ہمارے اعمال کا اثر حکّام کے قلوب پر مرتب ہوتا ہے ہمارے اعمال

اچھے ہوں گے تو حکمرانوں کے دل بھی رعایہ کے حق میں نرم ہوں گے اگر ہم بگڑے تو ان کا رویہ بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی ہوگا، بعض ائمہ سلف سے منقول ہے: حضرت عمرؓ، کعب اُحبار اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ کی سند سے ملتا ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ تب کہا تھا جب آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حجاج کو بددعا دے رہا ہے، تو آپ نے فرمایا: ایسا مت کرو، یہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، ہمیں ڈر ہے اگر حجاج معزول ہوگیا یا مرگیا تو تم پر بندر اور خنزیروں کو مسلط کردیا جائے، کیوں کہ مروی ہے کہ أَعمالُکُمْ عُمالُکم، و کما تکونون یولّٰی علیکم، مطلب جیسے: اعمال ویسے امراء"۔ (المقاصد الحسنۃ للسخاوی ۲/ ۲۸۱) بعض لوگوں نے اس کو حدیث کہا لیکن بغیر تحقیق اس کا حتمی حکم نہیں لگایا جاسکتا، مطلب اس کا بھی یہی ہے کہ جیسے تم رہو گے ویسے ہی تم پر والی وامراء مقرر کیے جائیں گے۔

حاصل کلام یہی ہے کہ مسلمان احوال کے تغیر کا رونا رونے کے بجائے اعمال کے تبدیلی کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ سارے حالات کو ان کے حق میں سازگار بنادیں گے اور وَأَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے وعدہ کے مطابق پھر ان کی کھوئی ہوئی سرفرازی، شان وشوکت اور عظمت رفتہ کو بحال کریں گے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا خوف

حضرت ابوالدرداءؓ نے وفات کے وقت اپنی بیوی ام الدرداءؓ کو بُلایا اور اپنے سے چمٹایا اور پھر فرمایا کہ اے ام الدرداء! تم دیکھ رہی ہو کہ مجھ پر موت طاری ہو رہی ہے اور خدا کی قسم! مجھ پر ایک ایسی شدید چیز پیش آئی ہے کہ کبھی اس سے زیادہ سخت چیز نہیں پیش آئی تھی، اگر اللہ کے نزدیک یہ میرے لئے خیر ہے، تو اس کے بعد تمام احوال میرے لئے آسان ہیں اگر بات اس کے برعکس ہے تو خدا کی قسم! یہ موت کی سختی، بعد کے احوال کے مقابلے میں بس اتنی ہے، جیسے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی تکلیف۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور فرمایا کہ اے ام الدرداءؓ! اس جیسے پچھڑنے کے وقت کے لئے عمل کی تیاری کرو! اے ام الدرداءؓ اس وقت کے لئے عمل کرنا! پھر اپنے صاحبزادے بلال کو بلاکر بھی اسی طرح کی نصیحت کی اور روح قبض ہوگئی۔

(المحتضرین لابن ابی الدنیا: ۱۶۴)

اصلاحی مضامین

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

مولانا سید توفیق عبید سبیلی *

دینی مدارس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ اسلام کی، دینی مدارس عہد نبوت سے لیکر آج تک اپنے ایک مخصوص انداز سے آزاد چلے آرہے ہیں۔شوال کا مہینہ دینی مدارس کے لئے ایک جاں فزااور روح پرور مہینہ ہوتا ہے طالبان علوم نبوت کے پرشوق سفر کی شروعات اسی مہینہ ہوتی ہے۔دینی مدارس وجامعات میں مہمانان رسول اور متلاشیان علم وفن کا ہجوم رہتا ہے۔دشت علم کی صحرا نوردی کرنے والے شوق کے کشکول لئے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں ہوتے ہیں۔سفر کی تعب ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ماں باپ اور وطن سے دوری بھی ان کے پائے شوق کا آبلہ نہیں بنتی۔وہ منزل مقصود کے لئے راہ کے پہاڑوں کو ذروں کی طرح پھلانگتے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور کیوں نہ ہو ان کے سامنے نبوی بشارت ہوتی ہے کہ''جو علم کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتے ہیں۔''(الحدیث)اور آگے بڑھ کر یہ خوشخبری بھی ان کے شوق کو مہمیز کرتی ہے کہ فرشتے اپنے پروں کو بطور محبت ان پر ملتے ہیں اور فرش راہ کرتے ہیں یہ روح افزا خوشخبری کس کے قدم روک سکتی ہے کہ طالب علم دین کے لئے خشک وتر کی ساری مخلوق مغفرت کی دعا کرتی ہے،اسی وجہ سے قرن اول سے اب تک باوجود اعدائے اسلام کی انتھک کوششوں کے،دینی مدارس اپنی مضبوط بنیادوں کے ساتھ قائم ودائم ہیں اور ان کا سفر تھکن آشنا نہیں ہوا ہے،اور ان کا ہر نقش نقش اول سے بہتر ہوتا جارہا ہے،علم وفن کے شعبوں میں جدتیں آتی جارہی ہیں اور زمانہ کی ہم رکابی کے لئے وسائل بروئے کار لائے جارہے ہیں،طرزِ تعلیم وتدریس کو سہل بنانے میں اساتذہ وماہرین اپنی مہارتیں لگارہے ہیں۔شعبہ ہائے تعلیم میں اضافہ ہورہا ہے۔شوال کا مہینہ شروع ہوتے ہی دینی مدارس اپنے تعلیمی سال کا عموماً آغاز کرتے ہیں اور قدیم وجدید طلبہ بڑے وچھوٹے مدارس کی طرف رجوع کرتے ہیں،حفظ وعالمیت اور تخصصات کے بہت سارے مدارس اور ادارے ملک کے طول وعرض میں موجود ہیں، جہاں طلبہ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جاتا ہے ان مدارس کے بانیان کے پیش نظر یہ مقصد بہت ہی واضح تھا کہ ان مدارس کے ذریعہ ملک عزیز میں مسلمانوں کی دینی وملی تشخص

* جامعۃ الطاہرات،ہاشم آباد

کومحفوظ رکھا جائے، مذہب کی بنیادی سرچشموں میں غواصی کرنے والے ماہرین ان سے نکلتے رہیں اور ہر زمانے میں دین اسلام کی اشاعت وحفاظت کرتے رہیں، ہر آنے والے فتنے کا سدِ باب کرنے کی اتم صلاحیت ان کے اندر موجود رہے۔ الحمدللہ یہ مدارس اب تک اپنے مقصد اصلی پر گامزن ہیں، اور اچھے نتائج ملت کو دے رہے ہیں، مدارس کا اصل رخ ٹھوس دینی تعلیم دینا ہے، اور ایسے ماہرین کو تیار کرنا ہے جو علم دین کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہوں، اسرار ورموز شریعت سے جن کی گہری شناسائی ہو، پیش آمدہ مسائل پر تحقیق وتدبر کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں، قوم کو محدث، مفسر، محقق، فقیہ، ادیب، خطیب، امام، حافظ، قاری ملتے رہیں اور کبھی ان کی کمی محسوس نہ ہو۔ دینی مدارس کا اپنا ایک مخصوص نصاب ہے جو انتہائی پاکیزہ ونورانی ماحول میں پڑھایا جاتا ہے، جس میں عربی وفارسی، صرف ونحو، منطق وفلسفہ، معانی وادب، قرآن وحدیث، تفسیر، فقہ واصول فقہ، معانی وادب، منطق و فلسفہ، جیسے ضروری علوم کا ایک معتد بہ نصاب پڑھنے کے بعد طالب علم عالم دین کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔

دینی مدارس جہاں اسلام کے قلعے، ہدایت کے سرچشمے، دین کی پناہ گاہیں، اور اشاعت دین کا بہت بڑا ذریعہ ہیں وہاں یہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقی این جی اوز بھی ہیں۔ جو لاکھوں طلبہ وطالبات کو بلا معاوضہ تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قیام وطعام اور طبی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ دینی مدارس نے ہر دور میں تمام تر مصائب ومشکلات، پابندیوں اور مخالفتوں کے باوجود کسی نا کسی شکل میں اپنا وجود اور مقام برقرار رکھتے ہوئے اسلام کے تحفظ اور اس کے بقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے، انگریزوں نے برصغیر میں اپنے تسلط ااور قبضہ کے لئے دینی اقدار وشعائر اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن اس کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی دینی مدارس اور اس میں پڑھنے پڑھانے والے ''خرقہ پوش اور بوریا نشین'' طلباء دین اور علماء کرام ہی تھے انگریزوں نے سب سے پہلے ملک میں دینی مدارس وخانقاہوں کو مسمار کیا، وسط ایشیاء کی ریاستیں جہاں مسلمانوں کی زرین تاریخ اور بے شمار محدثین وعلماء کا مولد ومدفن ہیں، روس کے ۷۰ سالہ ظالمانہ تسلط کے دوران مسلمانوں کو نماز تو کجا کلمہ تک پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، عالیشان مساجد ومدارس کھنڈرات میں تبدیل کردئے گئے۔ جہاں مسلمانوں کی ایک نسل فناء اور دوسری بوڑھی اور تیسری نسل جوان ہوئی، لیکن ۷۰ ستر سال بعد جب یہ ریاستیں آزاد ہوئیں تو مسلمانوں کی نوجوان نسل میں حفاظ وعلماء موجود تھے اور یہ سب کچھ ان ریاستوں میں پوشیدہ طور پر قائم دینی مدارس کا فیضان وکمال تھا، دینی مدارس کے نصاب تعلیم کو بدلنے اور ان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے خوبصورت عنوانات سے آئے دن کبھی حکومتیں اور کبھی دانشوران قوم مطالبہ کررہے ہیں، ایک دلفریب نعرہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ہم حافظ + ڈاکٹر، عالم + انجینئر، اور مفتی + وکیل۔ قوم کو فراہم کرنا چاہتے ہیں

ان کو بہتر روزگار مہیا کریں گے؛ حالانکہ کتنے ڈگری یافتہ اور انجینئر بے روزگار ہیں اس کا اندازہ سبھی کو ہے۔علماء وحفاظ کو اللہ تعالیٰ کس طرح عزت کی روزی دے رہا ہے وہ بھی جگ ظاہر ہے۔مگر کچھ عرصہ سے عوامی ذہنوں کی تبدیلی اور ایک عمومی فتنہ انگیزی کا دینی مدارس کے طلبا وفضلاء شکار ہوتے جارہے ہیں ،عوام وعلماء میں ذہنی مرعوبیت کی فضا بہت عام ہوتی جارہی ہے۔اور عصری علوم اور اسکولی تعلیم شامل نصاب کرنے کی دوڑ لگی ہوئی۔ اور اب تو شاید ہی کوئی مدرسہ اس سے محفوظ ہو جہاں یہ وباء نا پہنچی ہو،آج نہیں تو کل اس کے اثراتِ بد سامنے آئیں گے،خالص تعلیم میں وہ نتیجہ نہیں نکل رہا ہے تو ملاوٹی تعلیم میں کیسے وہ قابلیت وروحانیت پیدا ہوگی ،ابھی دوسرے علوم وفنون کے بغیر تعلیم دیرہے تھے،اس میں وہ قابل علماء نہیں نکل پا رہے تھے جن کی ملت کو ضرورت ہے،مدارس کو ایسے باصلاحیت علماء ومدرسین نہیں مل پارہے ہیں جو ان کے معیار کے مطابق ہوں ،کئی مدارس قابل اساتذہ وشیخ الحدیث کی تلاش میں حیران وسرگرداں ہیں ،مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ (سابق شیخ الحدیث، دارالعلوم دیوبند) کے بقول مدارس اب بانجھ ہو چکے ہیں ، یہاں سے اب وہ افراد نہیں نکل رہے ہیں جو امت کے رخ کو تبدیل کر سکتے ہوں اور جو ملک وملت کی قیادت وراہنمائی کرنے کے قابل ہوں اور جن کے علم وفن کی دنیا دیوانی ہو۔بانیان دارالعلوم دیوبند میں ایک بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ فرمان بہت ہی چشم کشا اور دیدۂ بینا سے پڑھنے لائق ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو کہیں کا رکھنا نہیں چاہتے ہیں ،ان کے ہاتھ پیر توڑ کر ان کو نابینا بنا کر مسجد ومدرسہ میں بٹھا دینا چاہتے ہیں،ان کو خالص مذہبی تعلیم کا رکھنا چاہتے ہیں،شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے یورپ کے دورے سے واپسی پر بڑی دردمندی سے کہا تھا کہ ان مدارس کو اسی حال میں رہنے دو، مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو،اگر یہ ملا ودرویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں ،ان کی مراد مدرسہ کی چھپر پوش عمارتیں نہیں تھیں بلکہ اس میں پڑھایا جانے والا وہ خالص مذہبی سرمایہ تھا جو ان مدارس کا اصل اثاثہ ہے،عصری علوم کبھی بھی مدارس کا مطمح نظر نہیں رہے ہیں،اس کے لئے بیشمار ادارے موجود ہیں،قوم وملت کا بڑا سرمایہ ایسے اداروں اور ٹرسٹوں کے حوالے ہو رہا ہے، جو مسلمانوں کو عصری علوم میں مہارت دلانے کے دعوے دار ہیں ،ان کے کیا نتائج وخدمات ہیں قوم کو ان کا محاسبہ کرنا چاہئے۔دینی مدارس کم از کم اتنا تو کر رہے ہیں کہ سالانہ حفاظ وعلماء کی ایک کھیپ امت کو دے رہے ہیں، چھوٹے سے چھوٹے دیہات اور قریہ میں جہاں مشکل سے دس پندرہ مسلمانوں کے مکانات ہوں وہاں مدرسہ کا فارغ کوئی حافظ وعالم ضرور لوگوں کے دین کی حفاظت کر رہا ہوگا،اور ان کے بچوں کو اسلام پر باقی رکھنے کا فریضہ انجام دے رہا ہوگا۔اس کی کوئی مثال کسی اسکول وکالج اور یونیورسٹی کے فارغ طلباء میں نہیں ملتی ،مفت خدمات

اور قلیل تنخواہ پر قناعت یہ ان مدارس کی تعلیم کا فیض ہے، آج تک کسی جگہ سے یہ خبر نہیں آئی کہ علماء، ائمہ، اساتذۂ دینی مدارس نے اپنی تنخوہوں کو لیکر کوئی احتجاج کیا ہو، یا کسی عالم وحافظ نے قلیل آمدنی کی وجہ سے خودکشی کی ہو، بہتر تو یہی ہے کہ ان مدارس کو ان کے نہج قدیم اور نصاب قدیم پر باقی رکھا جائے۔ البتہ عصری مدارس میں دینی تعلیم کو شامل نصاب کیا جانا چاہیئے اس پر زیادہ زور ہو، کیونکہ امت کا بڑا طبقہ ان ہی اداروں میں ہے، جائزہ لینے والوں نے بتایا کہ (۹۸) اٹھانوے فیصد مسلم لڑکے اور لڑکیاں اسکولی تعلیم کا حصہ ہیں اور صرف دو فیصد مدارس کا رخ کرتے ہیں، یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ ان اداروں اور اس کے داعیوں سے قوم کوئی سوال نا کرلے اس کیلیئے اس طرح کے پروپیگنڈے اور حربے اختیار کئے جارہے ہیں تاکہ قوم ان کی اس کوتاہی اور ناکامی پر مطلع نا ہو، دینی مدارس کے ذمے داروں کو بھی کسی مرعوبیت کے بغیر اپنے اصل مقصود کو سامنے رکھ کر اس روحانی و نورانی نصاب کو پڑھاتے رہنا چاہیئے، نصاب میں جدت کے بجائے طریقہ تدریس میں جدت لائیں یہ زیادہ انفع ہوگا۔ جو ادارے اس طرح کے ارادے رکھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اداروں میں ابتداء ہی سے طلباء کو داخلہ دیں اور ان کو جس طرح کے حافظ، عالم بنانا چاہتے ہیں، شوق سے بنائیں۔ خدارا ان مدارس کو اسی حال پر رہنے دیں اس میں پڑھنے والوں کو اسی نصاب کی تعلیم میں رہنے دیں۔ کسی طرح کا لالچ اور رغبت نہ دلائیں، اہل مدارس جگر مرادآبادی کے اس پیغام کو حرز جاں رکھے اور اپنے جگر کو مضبوط بنائیں۔ ع

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

افغانستان کے موجودہ متشرع اور باعمل علماء نے ملک میں شاندار حکمرانی کرتے ہوئے دنیا کی سوپر پاور طاقت کو گھٹنے ٹیکنے اور ان کی زبان سیکھنے پر مجبور کیا تو انہوں نے اُن کی مادری زبان میں گفتگو کی۔ نہ اُن کے لباس تبدیل ہوئے نہ اُن کی ہیئت تبدیل ہوئی، اپنی اسی سادگی اور خرقہ پوشی کیساتھ مدارس کے ان فیض یافتگان نے ثابت کیا کہ آج بھی مدارس کی تعلیم وتربیت میں دنیا کی بڑی طاقتوں کو جھکانے کی اہلیت ہے۔ شرط ہے کہ اس کے حاملین کسی مرعوبیت کا شکار نہ ہوں، جگر کے ہی اس پیغام سے اہل مدارس کو متوجہ کرتا ہوں۔

میری زباں پہ شکوۂ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا یہی احسان کم نہیں

اور دوسرا یہ پیغام ہمارے دانشوروں اور عوام کے لئے بھی دینا ضروری ہے کہ

اگر یہ مساجد مدارس نہ ہوتے
کہیں بھی جہاں میں مسلماں نہ ہوتے

اصلاحی مضامین

ارتداد: اسباب وسد باب

از: حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی*

ہر وہ مسلمان جس کے سینے میں ملت اسلامیہ اور دینِ اسلام کے لیے دھڑکنے والا دل ہو، ارتداد کے پیہم واقعات کو پڑھ کر ضرور مغموم ہوتا ہوگا اور دختر ان ملت کی بے راہ روی ضرور اسے غور وفکر پر مجبور کرتی ہوگی؛ مگر افسوس صد افسوس اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کا سبب بننے والے اس قسم کے واقعات اب روز کا معمول بن چکے ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کا غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہوجانا، پھر اپنے دین ومذہب کو خیر باد کرکے ان سے شادی رچانا اب اس قدر عام ہو چکا ہے کہ ہر ماہ اس قسم کے متعدد واقعات رونما ہوتے اور ہم سب کے لیے سوہان روح بنتے رہتے ہیں۔

ارتداد کے ان واقعات کا تسلسل کے ساتھ پیش آنا کیا ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ آخر کب تک ہم خوابِ خرگوش سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے؟ کیا ہماری غیرت ملی کو سانپ سونگھ گیا؟ آخر کب تک ملت کی بیٹیاں اپنے دین وایمان کا سودا کرتی رہیں گی؟ اس تشویشناک صورتحال کا حل تلاش کرنے سے پہلے ان اسباب کی نشاندہی ضروری ہے جو اس قسم کے واقعات کا محرک بنتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات کا بنیادی سبب دینی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ عام طور پر والدین اپنے بچوں کی دینی تربیت سے غافل ہوتے ہیں۔ بیشتر والدین اپنے بچوں کو اسکولوں میں داخلہ دلوا کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ گھریلو دینی ماحول وتربیت سے محروم لڑکیاں جب کالجوں کے مخلوط ماحول میں قدم رکھتی ہیں تو آسانی سے غیر مسلم لڑکوں کے دامِ فریب میں آجاتی ہیں۔ دین وایمان کی عظمت سے ناواقفیت انہیں کفر وشرک کی ظلمتوں میں ڈھکیل دیتی ہے۔ گھر میں پختہ دینی تربیت کا نظم ہوتو وہ کبھی دین وایمان کا سودا نہیں کرسکتی۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اولاد کی دینی تربیت کی ذمہ داری بخوبی نبھائیں۔

اسکولوں اور کالجوں کا آزادانہ اور مخلوط ماحول بھی اس طرح کے واقعات کا ایک سبب ہے۔ اسلام میں مرد

* استاذ حدیث دار العلوم حیدر آباد

وخواتین کے اختلاط کو روکا گیا ہے۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی بچیوں کو مخلوط نظام تعلیم سے دور رکھیں۔ مسلمانوں کو ایسے کالجوں کے قیام پر توجہ دینا چاہئے کہ جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علحدہ نظم ہو۔

سیل فون کا بیجا استعمال بھی خوب تباہی مچا رہا ہے۔ کالجوں میں زیر تعلیم بچیاں سیل فون کے ذریعہ غیروں سے جلد رابطہ میں آجاتی ہیں۔ زیر تعلیم بچیوں کو اسمارٹ فون عطا کرنا والدین کی بڑی غلطی ہے۔ اسمارٹ فون دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نئی نسل کے اخلاق پر وہ بڑے منفی اثرات ڈال رہا ہے۔ واٹس ایپ، فیس بک اور سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع کا استعمال کر کے نئی نسل ہر قسم کی اخلاقی حدوں کو پار کر رہی ہے۔

اس قسم کے بڑھتے ہوئے واقعات کا ایک سبب فرقہ پرست تنظیموں کی جانب سے چلائی جارہی مہم ہے۔ مختلف فرقہ پرست تنظیمیں نوجوانوں کو مسلمان لڑکیوں کو پھانسنے کے لئے مستقل ترغیب دیتی ہیں۔ گزشتہ ۲۰ ؍ستمبر کو مغربی بنگال میں وی ایچ پی نے ہندو نوجوانوں کے لئے فرمان جاری کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسلم لڑکیوں سے شادی کریں اور بعد میں ان کا مذہب تبدیل کرالیں۔ انڈیا ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق وی ایچ پی کا کہنا ہے کہ ہندو نوجوانوں کو ان مسلم لڑکیوں سے شادی کرنی چاہئے جو ذہنی طور پر ہندو مذہب کے قریب ہیں اور انہیں ہندو دھرم کا حصہ بنانا چاہئے۔ مغربی بنگال میں باقاعدہ مہم کے تحت پمفلٹ تقسیم کئے جارہے ہیں جن میں ہندو خواتین کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ لو جہاد سے بچ کر رہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہندو خواتین کو بچاؤ اور مسلم خواتین کو پھنساؤ۔

ایک غیر مسلم نوجوان جس نے ایک مسلمان لڑکی کو اپنی گرل فرینڈ بنا رکھا ہے ایک مسلمان سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ہندو تنظیموں کی پوری کوشش مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو ان کے دین سے بدظن کرنا ہے، اس کے لئے ان تنظیموں نے بہت مضبوط لائحہ عمل بنایا ہے۔ شادی شدہ عورتوں کو طلاق، گھریلو مظالم اور آزادی کے نام پر ورغلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلمان عورتوں سے پیسہ دے کر نقاب پہنا کر اسلام مخالف بیانات ریکارڈ کروائے جارہے ہیں اور انہیں سوشل میڈیا پر وائرل کیا جارہا ہے۔ مسلم لڑکیوں کو ورغلانے کے لئے بہت ہی خطرناک منصوبے کے تحت کام ہو رہا ہے۔ اس کے لئے باضابطہ نوجوان لڑکوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ انہیں خاص طور سے اردو زبان سکھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے اندر جلد متاثر ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے لہٰذا جب وہ غیر مسلم لڑکوں کی زبان سے اردو زبان کے الفاظ اور اشعار سنتے ہیں تو فطری طور پر متاثر ہوتی ہیں اور یہیں سے ان کی بربادی کی داستان شروع ہو جاتی ہے۔ مذکورہ نوجوان نے بتایا کہ ہندو تنظیموں کی جانب سے ایک مسلمان لڑکی کو گمراہ کرنے کے عوض دو لاکھ روپئے کی پیشکش کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کی جاتی ہے کہ چھ

مہینوں سے سال بھر کے اندر لڑکی کو اس حالت میں لا کھڑا کرنا ہے کہ وہ یا تو خودکشی کر لے یا سماج میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔ مذکورہ غیر مسلم نوجوان نے جن باتوں کا انکشاف کیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فرقہ پرست تنظیمیں مسلم لڑکیوں کو مرتد کرنے کے لئے کس قدر منصوبہ بند طریقہ پر سرگرم عمل ہیں۔

اس صورتحال کے سدِ باب کے لئے سب سے پہلے والدین کو احساس دلانا اشد ضروری ہے۔

والدین اس حقیقت کا ادراک کریں کہ اولاد کی ایمان سے محرومی کس قدر بدبختی کی بات ہے۔ جب تک والدین کو اس صورتحال کی سنگینی کا احساس نہیں ہوگا تب تک کوئی حل کارگر ثابت نہ ہوگا۔

دوسرا اہم کام نئی نسل کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا ہے۔ اس کے لئے ہر محلہ اور ہر بستی میں مکاتب کا جال پھیلانا ضروری ہے۔ اس طور پر کہ مسلمان گھرانے کا کوئی بچہ دینی تعلیم سے محروم نہ رہے۔ کالجوں میں زیر تعلیم لڑکیوں کو دینی فکر سے آراستہ کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ کالج کا انتظامیہ اگر مسلمان ہو تو انتظامیہ سے منظوری لے کر ایک گھنٹہ دینیات کا رکھا جائے اور علماء کرام یہ خدمت انجام دیں۔ اس طرح ہر کالج میں علماء کرام کے اصلاحی بیانات اس سلسلہ میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیز کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ و طالبات کے لئے آن لائن دینی کلاسس کا بھی نظم کیا جا سکتا ہے۔ گرمائی تعطیلات اور دیگر مواقع پر ایک ماہی یا چالیس روزہ سمر کیمپ کا اہتمام بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ نئی نسل کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوششوں کے ساتھ گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔ دین و ایمان کی کمزوری اور خوفِ الٰہی کا فقدان ہی آدمی کو غلط راستوں پر لے جاتا ہے۔ گھروں میں دینی ماحول تب ہوگا جب والدین خود دیندار اور خدا ترس ہوں گے۔ نیک ماں باپ ہمیشہ اولاد کی نیکی کے لئے فکرمند رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف بے دین والدین کو اولاد کی دینداری سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ ملت کے ہر فرد کو دخترانِ ملت کے ارتداد پر فکرمند ہونا چاہئے۔ وقت سے پہلے اگر فکر نہ کی جائے تو کل کو یہ فتنہ ہمارے گھروں کو دستک دے سکتا ہے۔

اصلاحی مضامین

دختران ِملت کے ڈگمگاتے قدم

اور سوشل میڈیا کی خبریں!

از: مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی*

اس حقیقت سے کسی فردِ بشر اور مردِ دیدہ ور کو انکار نہیں کہ دختران ِملت اپنے یاران ِبے وفا اور عاشقان ِنفاق پرور کی جھوٹی محبت کی خاطر دین و ایمان جیسے بیش قیمت سرمایہ کا سودا کر رہی ہیں، ریسٹورنٹس ، ہوٹلز، تفریح گاہوں اور چوراہوں پر غیر مسلم نوجوانوں کے ساتھ گپ شپ کرتے اور گل چھرّ ے اڑاتے نظر آرہی ہیں، ملت کی بیٹیاں بے غیرتی پر کمر باندھ کر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ موٹر سائیکلز پر بے محابا گھومتی پھر رہی ہیں، ستم تو یہ ہے کہ اس فعلِ قبیح اور حرکتِ ناروا پر بالکل بھی نادم وشرمندہ نہیں، ایسا لگتا ہے کہ نہ انہیں اپنے دین و ایمان کی فکر ہے، نہ ماں باپ کی عزت وآبرو کا احترام، انہیں کچھ احساس ہی نہیں کہ وہ دین وایمان اور شرم وحیا کو داؤ پر لگا کر ارتداد وانحراف کی راہ پر چل پڑی ہیں، جس کی بے شمار تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر (بالخصوص واٹس ایپ کے گروپوں میں) کثرت سے گردش کر رہی ہیں جو کہ امت مسلمہ کے لئے انتہائی دکھ کی بات اور بے حد اصلاح طلب پہلو ہے، اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا؛ لیکن اب اصلاح کی ضرورت ہے، اس ارتداد کی ہوا کو کس طرح روکا جائے؟ کیا تدابیر اپنائی جائیں؟

ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بعض نوجوان جہاں کہیں کسی مسلمان بیٹی کو غیر مسلم لڑکے کے ساتھ دیکھتے ہیں تو فوراً ویڈیو بنا کر شئیر کر دیتے ہیں؛ حالانکہ تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کر کے شئیر کر دینا تو اصلاح کا طریقہ نہیں ہے، جذباتی اقدامات کے بہ جائے مؤثر اور منصوبہ بند تدابیر اپنانے کی ضرورت ہے؛ ورنہ بعض دفعہ ہمارے اس طرزِ عمل سے خود وہ لڑکی بات ماننے کے بہ جائے نڈر اور ہٹ دھرمی پر اتر آتی ہے، اس لئے ویڈیو بنانے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے بہتر عیب پر پردہ ڈالتے ہوئے کسی مناسب موقع سے اچھی جگہ گھر والوں کے سامنے اطمینان سے بٹھا کر ذہن سازی کریں، ناجائز محبت اور جھوٹے عشق کے گندے جراثیم ان کے دل ودماغ سے ختم کریں، ایسے ہی ملت کا درد رکھنے والے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچی کے گھر پہنچ کر والدین سے ملاقات

* فاضل دارالعلوم دیوبند

کر کے انہیں فکر دلائیں، اور جس چیز کی کمی اور ضرورت محسوس ہو اس کی فراہمی کی کوشش کریں (فقر و فاقہ ہو تو مالی امداد کریں، اگر کوئی ذمہ دار نہ ہو تو مناسب رشتہ تلاش کر کے گھر بسانے کی فکر کریں وغیرہ)۔

دوسری بات بہت سی دفعہ ہمارے بعض نوجوان انجانے میں ہندوفرقہ پرستوں کی کئی سال پرانی اشتعال انگیز تقاریر واٹس ایپ پر پھیلاتے رہتے ہیں کہ دیکھو وہ ہمارے خلاف کیا کیا سازشیں رچ رہے ہیں؛ حالانکہ ان کی ویڈیوز شیئر کرنے سے تو الٹا ان کی اعانت ہوتی ہے، یہ اصلاح کا انداز نہیں ہے کیوں کہ دورِ نبوت میں جب کبھی ملعون کافروں کی جانب سے نبی ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی جاتی رہی تو صحابہ کرامؓ اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کا جواب دیتے رہے لیکن کوئی ان اہانت آمیز جملوں کا تذکرہ بھی نہیں کرتا، کتب احادیث میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، خدارا اس کو شیئر کر کے ان کا آلہ کار نہ بنیں، سوشل میڈیا کا محتاط استعمال کرنا بھی سیکھیں!

تیسری بات: خدامِ رفاہ اور صاحبِ ثروت و ذی اثر لوگوں کو چاہیے کہ وہ روایتی کاموں پر انحصار کرنے کے بجائے ترجیحی تقاضوں کی تکمیل کے لئے آگے آئیں، اب اشتہارات اور پوسٹرز پر نام چھپوانے اور جلسے جلوس کی زینت و رونق بننے سے کہیں زیادہ کسی بے سہارا حاجت مند بیٹی کا آسرا بننے کی ضرورت ہے، اجڑے ہوئے ارتداد زدہ گھر کو پھر سے مالی امداد فراہم کرتے ہوئے اسلامی اور دین دار گھر میں بدلنا یہ موجودہ وقت کا اہم تقاضہ ہے، دین بیزار بہنوں کو دین سے وابستہ کر کے گھر بسانے کی فکر ہونی چاہیے، اور اپنے ان رفاہی کاموں کو دعوتِ دین سے جوڑنا چاہیے، توحید و رسالت اور آخرت کا سبق پڑھانا چاہیے۔ ارتداد زدہ بچیوں سے توبہ کرا کر کسی مسلمان لڑکے سے شادی کرادی جائے؛ تاکہ وہ آئندہ اس طرح کے گناہوں سے بچ سکے۔

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ "اپنے بچوں کو ایمانیات کے بارے میں بتائیں، عقیدۂ توحید سے کیا مراد ہے؟ اسلام اور کفر میں کیا فرق ہے؟ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولوں کی انسانیت کو کتنی ضرورت ہے؟ ایک غیر مسلم سے ہمارا کیا تعلق ہونا چاہیے؟ اس میں یہ بھی واضح کیا جائے کہ انسانی مسائل میں وہ ہمارے بھائی ہیں؛ لیکن ان کے ساتھ کسی مسلمان مرد یا عورت کا رشتۂ ازدواج نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی بتائیں کہ ہندو سماج اپنی قوم ہی کے دوسرے خاندانوں سے نکاح کو گوارا نہیں کرتا؛ چہ جائیکہ وہ اپنے گھر میں کسی مسلمان لڑکی کی آمد کو قبول کرلے"

اپنی بیٹیوں کے بچاؤ کی تدابیر:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: موجودہ دور میں تمام تر دینی و دعوتی

سرگرمیوں کے باوجود آئے دن ارتدادی سرگرمیوں میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، ارتداد کے اس سیلاب پر کیسے قدغن لگایا جائے؟ یہ ایک چبھتا ہوا سوال ہے؛ چنانچہ سطورِ ذیل میں چند تدابیر ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) اولاً یومیہ پوری پابندی سے گھریلو تعلیم کا نظام بنائیں، اور دخترانِ ملت کو حیاداری، عفت وعصمت کی حفاظت کا جذبہ، اور عقیدۂ توحید ورسالت کی عظمت سے آشنا کرائیں، اسلامی تعلیمات اور مبادیاتِ دین کی تعلیم دیتے ہوئے صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ کی پُرمشقت زندگی سے واقف کرانا ازبس ضروری ہے۔

(۲) مخلوط نظامِ تعلیم سے اپنے نونہالوں کو بچایا جائے، اور علاقہ کے چند بااثر لوگ اس پر سنجیدگی سے سوچیں کہ ہم کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا ہے؛ مگر دین وایمان کی سلامتی اور عزت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ، اس کے لئے ایسا نظام تعلیم تیار کریں، جو دونوں اعتبار سے مفید اور کارآمد ہو۔

(۳) جو لڑکیاں عصری تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی ہیں، ان کی دینی تعلیم وتربیت اور اسلامی ذہن سازی کی بھرپور کوشش کی جائے، اور کسی عالمہ سے تعلق قائم کرایا جائے۔

(۴) ٹیوشن کلاسیز کے نام پر اجنبی لڑکوں سے اختلاط کا موقع نہ دیا جائے، کسی ٹیچر یا ساتھی کے گھر پر کسی تعلیمی ضرورت سے بھی جانے کی اجازت نہ دی جائے، کالج لانے لے جانے کی خود ذمہ داری لیں۔

(۵) اسمارٹ فون اور بائک خرید کر نہ دی جائے، یہ دونوں چیزیں بے حیائی کے دروازے کھولنے والی ہیں۔

(۶) موبائیل ریچارج یا زیراکس کے لیے غیرمسلموں کی دوکان پر جانے میں احتیاط کی جائے، اسی طرح کالج کے اندر یا اس سے قریب غیرمسلموں کے کینٹین سے بچنے کی ہدایت دی جائے۔

(۷) نیز غیرمسلم لڑکیوں کی دوستی سے بھی روکا جائے کہ آئندہ یہ دوستی بھی کسی خسران کا باعث نہ بن جائے۔

(۸) بچیوں کے مسائل اوران کو پیش آنے والی پریشانیوں پر توجہ دی جائے، یاد رکھیں! گھر میں توجہ کی کمی باہر کا راستہ دکھاتی ہے۔ مختصر یہ کہ

رحمت کا ابر بن کر جہاں بھر پہ چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ابناءِ آدم کو حضرت یوسفؑ کی حیا اور حضرت عثمانؓ کی عفت عطا فرمائے اور بناتِ حوا کو حضرت مریمؑ کی پاکیزگی اور حضرت فاطمہؓ کی عفت مآبی عطا فرمائے آمین

افاداتِ اکابر

مدینہ والے کوراضی کرو۔۔۔اللہ راضی ہوجائے گا

حضرت شیخ یونس جونپوریؒ کے پاس ایک بہت بڑے عالم آئے جوخود بھی حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔وہ آکر کہنے لگے کہ حضرت مجھے لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے ناراض ہوگیا ہے۔کوئی راستہ بتادیجیے کہ اللہ راضی ہوجائے۔حضرت شیخ یونسؒ یہ سن کر رونے لگے اور کہا میں کون؟ ادنیٰ درجہ کا آدمی، جو میں تیرا تعلق اللہ سے جوڑ دوں۔کہا: حضرت! کوئی راستہ بتادیجئے آپ حدیث شریف سے واقف ہیں اور اللہ نے آپ کو علم وتقویٰ سے نوازا ہے۔حضرت شیخؒ نے فرمایا: سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مدینہ والے کوراضی کرلو اللہ راضی ہوجائے گا۔پوچھا: حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا دوکام کرو۔

(1) درود شریف کی خوب کثرت کرو۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں تلاش کرکرکے اس پر عمل کرو۔ضرورت نہ ہوپھر بھی سنت پر عمل کرو۔مثلاً پانی پینے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی جان بوجھ کر بیٹھ کر پیا کہ نبی کی سنت پر عمل ہوجائے گا۔یہ دوکام کرلو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے گا۔

اس لئے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ"

اب وہ عالم صاحب ایک مہینہ کے بعد آئے بڑے خوش تھے آکر حضرت کا ہاتھ چوم لیا اور کہا حضرت! اللہ راضی ہوگیا۔حضرت شیخؒ نے پوچھا: وہ کیسے اور آپ کو کیسے پتا چلا کہ اللہ راضی ہوگیا؟ اور پہلے کیسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اللہ ناراض ہے۔فرمایا کہ نہ نماز میں دل لگتا تھا نہ ذکر میں لذت آتی تھی دل اچاٹ اچاٹ رہتا تھا۔بڑی بے چینی رہتی تھی۔اب اللہ راضی ہوگیا۔نمازوں میں دل لگنے لگا ذکر میں دل لگنے لگا اور اس سے بڑی بات یہ ہوئی کہ کچھ دنوں پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں آئے اور فرمایا جا میں تجھ سے راضی ہوگیا۔۔۔

افاداتِ اکابر

مال جب گندہ اور مشتبہ ہوتا ہے

ابونصر تمار کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت بشر بن الحارثؒ کے پاس آیا اور کہا: میرا قصد حج کا ہے، آپ کا کچھ کام ہے؟

انہوں نے فرمایا: کہ تم نے خرچ کے لئے کیا رکھا ہے؟

اس نے کہا: کہ دو ہزار درہم!

حضرت بشرؒ نے پوچھا: کہ تمہارا حج سے مقصد کیا ہے؟ اظہارِ زہد، یا شوقِ کعبہ، یا طلبِ رضا

اس نے کہا: طلبِ رضا

انھوں نے فرمایا: کہ اچھا اگر میں تمہیں ایسی تدبیر بتلادوں کہ تم گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل کرو، اور تم یہ دو ہزار درہم خرچ کردو اور تم کو یقین ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہوگئی تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ اس نے کہا: بخوشی،

فرمایا: کہ اچھا پھر جاؤ اور اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے آؤ جو مقروض ہیں، وہ اس سے اپنا قرض ادا کردیں، فقیر اپنی حالت درست کرے، صاحبِ عیال اپنے بال بچوں کا سامان کرے، یتیم کا منتظم یتیم کو کچھ دے کر اس کا دل خوش کرے اور گر تمہاری طبیعت گوارا کرے تو ایک ہی کو پورا مال دے آؤ، اس لئے کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بیکس کی امداد، کسی کی مصیبت دور کرنا، کمزور کی اعانت سو نفلی حجوں سے افضل ہے، جاؤ جیسا میں نے تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ، ورنہ اپنے دل کی بات ہم سے کہہ دو،

اس نے کہا: کہ شیخ سچی بات یہ ہے کہ سفر کا رجحان غالب ہے، بشر سن کر مسکرائے اور

فرمایا: کہ مال جب گندہ اور مشتبہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اس کی خواہش پوری کی جائے اور وہ اس وقت اعمال صالحہ کو سامنے لاتا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔

(احیاء علوم الدین: بہ حوالہ تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/ ۱۶۴)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

قربانی کے وقت زبان سے نام لینا

سوال: جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے تو کیا قربانی کرتے وقت اس کا زبان سے نام لینا ضروری ہے؟

جواب: جس کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے، اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے، قربانی نام لئے بغیر بھی ہوجاتی ہے، صرف نیت کافی ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۴۳)

ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکے

سوال: محض غفلت کی وجہ سے، صاحب نصاب آدمی نے ایامِ قربانی میں قربانی نہیں کی، تو کیا وہ بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کردے تو کافی ہے؟

جواب: صاحب نصاب اگر کسی وجہ سے ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکے، حتی کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس پر قربانی کے لائق متوسط درجہ کی بھیڑ یا بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۴۷)

صدقہ دینے کے بعد گم شدہ جانور کا ایام قربانی کے بعد مل جانا

سوال: کسی شخص کا ایام قربانی میں جانور گم ہوگیا، اور ایام قربانی گزرنے کے تقریبا ایک ہفتہ بعد وہ جانور مل گیا، جب کہ یہ شخص پہلے جانور صدقہ کرچکا تھا، تو اب جانور ملنے کے بعد اس کو صدقہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

جواب: ایام قربانی کے ایک ہفتہ بعد گم شدہ جانور مل گیا؛ لیکن وہ پہلے ہی صدقہ کرچکا ہے، تو ایسی صورت میں جانور ملنے کے بعد اس جانور کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ اس کو اپنے کسی بھی کام میں لاسکتے ہیں۔

(فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۵۳)

اجتماعی قربانی کا حکم

سوال: کیا اجتماعی قربانی جائز ہے جب کہ صاحبِ قربانی کو نہ اپنے جانور کا علم ہے اور نہ ہی اپنے جانور کی

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

قیمت کا علم ہے؟

جواب: اجتماعی قربانی دوطرح سے ہوسکتی ہے:۱۔ سات آدمی بڑے جانور میں شریک ہوکر قربانی کردیں، سات آدمی برابر پیسہ دے کر سات بکرے اکٹھے لے آئیں، کس کا جانور کونسا ہے؟ یہ متعین کئے بغیر ذبح کردیں تو اس طرح قربانی کرنا جائز اور درست ہے۔ ۲۔ دوسری شکل یہ ہے کہ مختلف لوگوں نے ایک شخص کے پاس اپنی اپنی قربانی کے لئے پیسے بھیج دئے، اور وہ شخص سب کی طرف سے وکیل بن کر سب کی قربانی کی نیت سے ایک بڑا جانور خرید لے یا ان لوگوں کے تعداد کے مطابق چھوٹے جانور خرید لے پھر ان سب کی طرف سے تعیین کئے بغیر ،قربانی کی نیت سے سب جانوروں کو ذبح کردے تو اس طرح سے بھی سب کی طرف سے قربانی جائز و درست ہوجاتی ہے؛لہذا مدارس میں مختلف لوگوں کی جو اجتماعی قربانی ہوتی ہے وہ بلاشبہ جائز و درست ہے، اسی طرح اگر صرف خریداری کے وقت ہر ایک کا جانور متعین ہوجائے کہ فلاں جانور، فلاں کے لیے پھر اس کے بعد ذبح کے وقت ان کی طرف سے نیت کے بغیر صرف بسم اللہ پڑھ کر حلال کردینے سے قربانی درست ہوجاتی ہے۔

(فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/۳۲۱)

کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے؟

سوال: جانوروں میں وہ کونسے عیوب ہیں جن کی وجہ سے ان جانوروں کی قربانی ناجائز ہے؟

جواب: ۱۔جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹے ہوئے ہوں اس جانور کی قربانی جائز ہے، ہاں اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں جس کا اثر دماغ تک پہنچ جائے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ ۲۔اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح مریض اور ایسا لاغر جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ ۳۔جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ ۴۔جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں، ہاں اگر بے دانت والا جانور چارہ کھالیتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ ۵۔اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی بھی درست نہیں۔ ۶۔ جو جانور خارش ہونے کی وجہ سے دبلا ہوگیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اور اگر دبلا نہ ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ ۷۔ اگر جانور کے تھن سوکھ گئے ہوں یا کٹ گئے ہوں یا جانور اپنے بچے کو دودھ پلانے پر قادر نہ ہو تو ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔

(احکام عید الاضحیٰ وقربانی، صفحہ ۱۲، ۱۳، از مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ)

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا

سوال: سات آدمیوں نے مل کر قربانی کے لئے ایک بڑا جانور خریدا، ان سات آدمیوں میں سے ایک شخص بچہ کے عقیقہ کا حصہ لینا چاہتا ہے تو قربانی میں عقیقہ کا حصہ لینا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ عقیقہ بھی قربت میں داخل ہے۔

(فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۵۴)

صاحب نصاب کے پاس اگر نقد رقم نہ ہو تو قربانی کیسے کرے؟

سوال: زید صاحب نصاب ہے اور اس پر قربانی واجب ہے لیکن حالات کے پیش نظر اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے صرف زیور ہے تو کیا وہ زیور فروخت کر کے قربانی کرے یا اِس کی کوئی اور صورت ہے؟

جواب: مسئولہ صورت میں اُس شخص کے لئے دو راستے ہیں یا تو کچھ زیور فروخت کر کے قربانی کرے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر قربانی کرے، بہر حال اُس پر قربانی واجب ہے۔ اور اگر بالفرض کسی وجہ سے قرض نہ ملا، نہ زیور فروخت ہو پایا تو بعد میں جب سہولت ہواُسے قربانی کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند، ۱۵/ ۴۷۹)

قربانی کے جانور کو تول کر خریدنا

سوال: قربانی کا جانور مثلاً بکرا یا بکری وغیرہ کو تول کر خریدنا کیسا ہے؟

جواب: اگر قیمت اور مبیع متعین ہو کوئی جہالت نہ ہو اور فریقین راضی ہوں اور یہ تولنا صرف اندازے کے لئے ہو تو انجام کار یہ بیع جائز ہے، اور اس طرح کے خریدے ہوئے جانور کو قربانی میں ذبح کرنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۶/ ۴۹۷)

قربانی کے جانور کے کان میں ایک چنے کے بقدر سراخ ہے؟

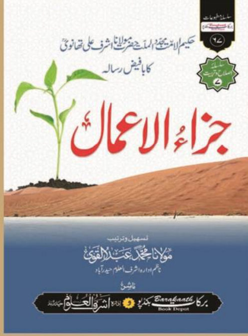
سوال: قربانی کے جانور کے کان میں ایک سوراخ ہے جس کی مقدار ایک چنے کے برابر ہے، یا اُس سے کچھ زیادہ ہے، تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

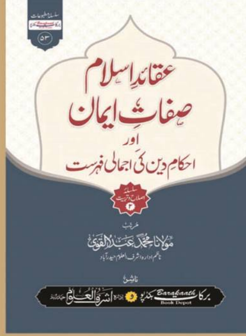
جواب: اگر قربانی کے جانور کے کان میں معمولی سوراخ ہو یا کچھ حصہ کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست ہے، یہ عیب قربانی سے مانع نہیں ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/ ۲۹۹)

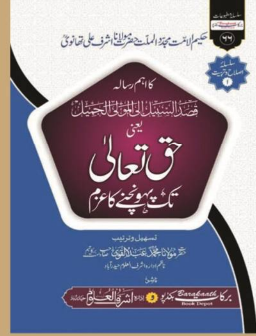
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25

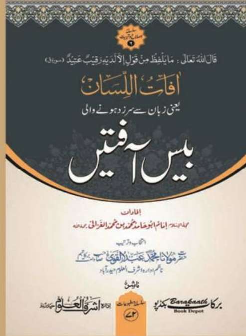
Date of Publication 3rd Jun-23, date of Posting 5th Jun-23

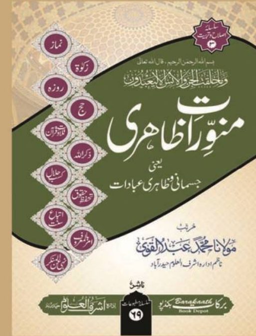


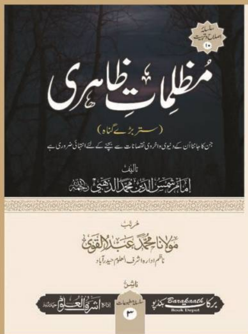


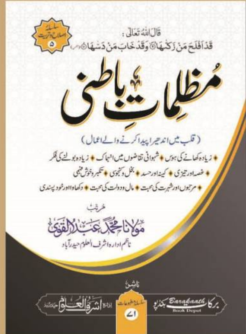


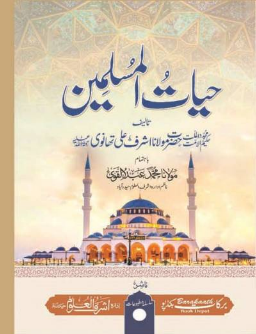












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59